غزال و غزل



سراج الدین ظفر

Ferozsons Limited

جدید تر ہے جس نے اردو شعرا کی بے شمار آوازوں میں سے اُن کی آواز کو ایک ایسی الگ آہنگ بنا دیا ہے جس کو آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اُن کی غزل میں شعری روایات کا احترام تو ہے لیکن روایت پرستی نہیں — وہ بنیادی طور پر روایت شکن ہیں۔ غزل جیسی روایتی صنفِ سخن کو اُنھوں نے جس غیر روایتی انداز سے اپنایا ہے، موجودہ زمانے میں اُس کی دوسری مثال نہیں ملتی اور اسی خصوصیت نے عہدِ حاضر کے شعرا میں انھیں ایک ممتاز مقام دے دیا ہے۔

اُنھوں نے غزل کی زبان میں اس طرح گفتگو کی ہے کہ غزل کے علائم و رموز کو مفاہیم و مطالب کی نئی وسعتوں سے آشنا کر دیا ہے۔ اُن کی غزل کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں چند مخصوص علامتوں کے پسِ پردہ ہزارہا جہانِ معنی پوشیدہ ہیں۔ وہ جن علامتوں کے ذریعے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اُن علامتوں نے اُن کی شاعری میں جمال و جلال بھی پیدا کیا ہے اور گہرائی بھی۔

اُنھوں نے حیات و کائنات کے مسائل کو مفکر کے ذہن اور مصوّر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور غزل کو صحیح معنوں میں زندگی کی بوقلموں حقیقتوں کا آئینہ دار بنا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ صنفِ غزل ہماری زندگی اور ہماری ثقافت کے ساتھ ہر لحظہ ارتقا پذیر ہے۔

سراج الدین ظفر کا کلام فکر و فن کا ایک عظیم مرقع ہے اور اردو شاعری میں ایک اہم اور زندہ رہنے والا اضافہ۔

جسٹس نورالعارفین

جج عدالتِ عالیہ مغربی پاکستان

حرفِ شوق

میری شاعری میرے مزاج اور میرے فلسفۂ حیات کے مطابق ہے۔ میرے نزدیک زندگی ایک طُوفانی ندّی کی طرح ہے۔ جو سراپا شوق ہو کر چیختی گاتی چلی جا رہی ہے۔ وقت کے کسی ناکے پر اس کے شوق کو ٹھہراؤ نہیں ہے۔ حوادث کی قد آور چٹانوں سے ٹکرا کر وہ چیختی ہے، لیکن راستہ بدل کر آگے نکل جاتی ہے۔ آسودگی کے سرسبز و شاداب میدانوں سے گزر کر وہ گاتی ہے، لیکن یہاں بھی اُسے قیام نہیں۔ اُس کا یہ سفرِ شوق کہیں ختم نہیں ہوتا جب تک وہ اُس بحرِ بیکراں تک نہ پہنچ جائے، جس کا ایک کنارہ ازل ہے اور دُوسرا ابد۔ اور یہاں پہنچ کر وہ اُس نُورِ حقیقی سے مل جاتی ہے، جو اُس کا منبع بھی ہے اور مرجع بھی۔ اِس طُوفانی سفر میں وہ اپنی آلُودگی حوادث کی قد آور چٹانوں کی پیشانی پر چھوڑ جاتی ہے اور جب بحرِ نور تک پہنچتی ہے تو خود بھی بقعۂ نُور ہوتی ہے۔

زندگی کا یہ سفرِ شوق تاریخِ انسانیت ہے اور منزلِ شوق معراجِ انسانیت میری شاعری زندگی کی اسی طوفانی ندی کا زمزمہ ہے۔ اسی طرح کھولتا، کف اُڑاتا اور طراررے بھرتا ہوا۔ اسی طرح ازلی ابدی اور لامتناہی۔ میری شاعری کی منزل اسی ندی کی منزل ہے اور میری شاعری کا مقصد اسی ندی کا مقصد یعنی

شوق ـــــ شوق ـــــ شوق

میرے نغمۂ شوق کو شنیدگی یا ناشنیدگی کی پروا نہیں۔ ندی دوسروں کے لیے نہیں گاتی، اس کا گانا تو صرف اس کے اشتیاق کا تقاضا ہے، لیکن اگر گوشِ دل وا ہو تو اسی بے مقصدیت میں ایک مقصد ہے۔ ندی کی سراپا اشتیاق آواز میں ہزاروں اسرار پوشیدہ ہیں۔ اس گپھا کے اسرار سے لے کر جہاں سے وہ چلی ہے، اس بحر کے اسرار تک جہاں وہ جا رہی ہے۔

میرے خیالات کو کوئی صحیح سمجھے یا غلط۔ مجھے اس سے سروکار نہیں۔ اپنے اعتقاد کو دوسروں پر ٹھونسنے کا جذبہ مجھ میں سرے سے نہیں ہے۔ نہ میں کوئی رہنما ہوں، نہ مجھے اصلاح کا دعویٰ ہے۔

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
فقیرِ گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

جس طرح میرے خیالات بیشتر لوگوں سے جدا ہیں، میرا اسلوبِ شاعری بھی جدا ہے۔ میں نے غزل کے روایتی قالب کی حدود میں رہ کر غزل کی دوسری سب روایتوں کے تانے بانے کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ندی اپنے کناروں کی حدود میں ضرور

رہتی ہے، لیکن اس کا اشتیاق کسی حد کا پابند نہیں ہے۔ میرا اسلوب غزل کا اسلوب نہیں ہے، میرے فرطِ شوق کا اسلوب ہے۔ میرا شوق الفاظ کے لغتی معانی کا اسیر نہیں۔ یہ انھیں اپنے وضع کردہ معانی دیتا ہے۔ الفاظ میرے شوق کے رُوبرُو نئے معانی کی پازیب پہن کر رقص کرتے ہیں اور لغتی معانی کو روندتے چلے جاتے ہیں۔

دیر و حرم، شاہد و گل، مے و میخانہ، غزال و غزل، زُلف و گیسو سب میرے شوق کے استعارے ہیں، وہ استعارے جو شوق کی مختلف کیفیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اس شعر کو لیجیے

کھلتا نہ تھا کہ کیا ہے خمِ زلفِ دلبراں
کل رات ناگہاں یہ معمّا بھی حل ہوا

شاہدِ ازلی کی زُلف کی کوئی چھوٹی سی گرہ کبھی کبھی کسی صاحبِ شوق و نظر کے ناخنِ ادراک سے اتفاقاً کھل جاتی ہے۔

اسی طرح

وہ شاخِ سمن صبح کو تھی نقشِ سعادت
جس سے ترے دھوکے میں ہم آغوش رہے ہم

اشتیاق کی سعادت آفریں کیفیت صاحبِ شوق کے ماحول پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

یا یہ شعر

ہم اُس جہاں میں تھے کل شب کسی کے ساتھ کہ لوگ
صبا کی طرح بھٹکتے، جو جستجو کرتے!

استغراق صاحبِ شوق کو وہاں پہنچا دیتا ہے، جہاں سے ذوق نہیں پہنچ سکتے۔

یا یہ شعر

آج اُن سے ہے ملاقات کا قصد
کچھ سوا تختۂ گل سے ہو گا

شوق کی بے تابی اکثر فیصلہ طلب ہوتی ہے

یا یہ شعر

جام اُٹھا کر کیجیے رقصِ ابرِ نیساں کی طرح
جو صدف آئے نظر اس میں گہر رکھ دیجیے

والہانہ شوق میں فیضِ رسانی کا جذبہ بھی موجود ہے

یا پھر

اپنا سبو بھی آئینۂ جم سے کم نہیں!
دیکھیں جو ذرّہ ذرّہ خبر شش جہات دے

سرودِ شوق بے خبری نہیں سراپا خبر ہے

یا پھر

کھول کر بندِ قبائے گلِ رُخاں
حدودِ لایزالی سے کھینچے !

شوق کے ہر پیچیدہ مسئلے کے حل کے بعد شکر گزار ہونا اقبالِ عبودیت ہے

یا پھر

یُوں زندگی پہ میری نظر ہے کہ جس طرح
اک جسمِ مرمریں کے نشیب و فراز پہ

شوق حوادث کے چہرے میں بھی حُسن کے نقوش دیکھتا ہے

اسی طرح

پھر پریشاں ہو کوئی زلفِ سمن بُو اور ہم
رات بھر تحقیقِ اسبابِ پریشانی کریں !

جذبۂ تحقیق و جستجو کے بغیر شوق کا مقصد پورا نہیں ہوتا، لیکن شوق کے میدان میں تحقیق و جستجو کوئی آسان کام نہیں۔

کیا سنواریں گیسوئے تحقیقِ حق !
اور کھل جاتے ہیں جُوں جُوں باندھیے

سب اصنافِ سخن میں استغراق کی ضرورت ہے، لیکن غزل میں یہ ضرورت

انتہائی شدید ہو جاتی ہے۔ غزل وہ واحد صنفِ سخن ہے، جس میں شاعر تحت الشعور کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ کر گوہرِ مضمون نکالتا ہے۔ اس امتیاز سے غزل بمنزلۂ الہام ہے، جو ایک رِند کو ولی کا رُتبہ دے سکتی ہے لیکن کوئی میرے کلام کو ایک صوفی کا کلام سمجھ کر پڑھے یا رِند کا۔ یہ اُس کا اپنا شعور ہے۔

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من

شاید کسی کو میرے کلام میں تصوّف کے نکات کے مقابلے میں رِندی کے نقوش جمالیہ کی طرح اُبھرے ہوئے نظر آئیں۔ ایسی صورت میں میری یہی گزارش ہے کہ

ذوقِ گل و سبو میں قباحت کی کیا ہے بات
ہم اس معاملے میں ذرا سے رِند ہی سہی

سراج الدین ظفر

جس طرح جوشِ شنگِ آہُو
زندگی رقص ہے از ہُو تا ہُو

سحر و شام گزرتی ہے مری
یا بہ گل پیرہناں یا یاہُو

رات بھر یار پری چہرہ و جام
صبح کو نالۂ یاہُو یا ہُو

میری زندگی کے لیے کافی ہے
یک قدح بادہ و یک صحرا ہُو

میرے ہاتھوں سے جو وہ زلفِ دراز
کبھی کھل جائے تو یاہُو یا ہُو

امتیاز اِن میں کہاں تک یارو
خیر و شر دونوں میں سراپا ہُو



جام و تسبیح و رباب و زنّار
ہمہ اسباب وہاں اشیا ہُو

سُبحہ و سجدہ و شیخ و واعظ
ہمہ القاب وہاں اسما ہُو

کہیں زمزم ہے کہیں جامِ شراب
کہیں قطرہ ہے کہیں دریا ہُو

کہیں اسرار کے سَو سَو پردے
کہیں بازار میں ہے رُسوا ہُو

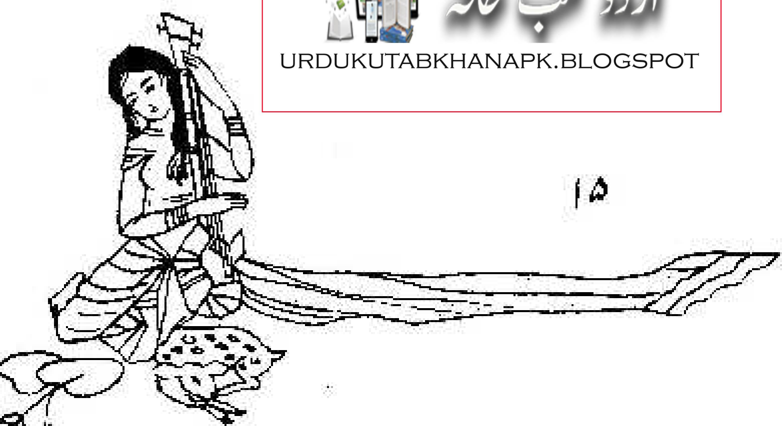
رات دیکھا جو بہ دیدۂ تحقیق
جام میں کچھ بھی نہ تھا اِلّا ہُو

پردۂ ہُو بھی اُٹھا کر دیکھا
کوئی ہے ہُو تھا نہ کوئی یاہُو

زندگی کی کوئی تعریف نہیں
بس کہ ناپید سے ہے پیدا ہُو

دشتِ عالم کی حقیقت معلوم
ہر قدم دامِ فنا ہر جا ہُو

دو میرے گم شدگاں کو آواز
عالمِ شوق سے سرتا پا ہُو
رات کو لوحِ ذہانت پہ مری
چھوڑ جاتا ہے نقوشِ پا ہُو
یہی اشعار میں ڈھل جاتے ہیں
صبح کے وقت ز اسم یا ہُو
ہر غزل ہے مری برجستہ ظفر
کیا قیامت ہے نُویں میں راہُو



سبُوئے جاں میں چھلکتا ہے کیمیا کی طرح
کوئی شراب نہیں عشقِ مصطفٰےؐ کی طرح

قدح گسار ہیں اُس کی اماں میں جس کا وجُود
سفینہ دو سرا میں ہے ناخُدا کی طرح

وہ جس کے لُطف سے کِھلتا ہے غنچۂ ادراک
وہ جس کا نام نسیمِ گرہ کُشا کی طرح

طلسمِ جاں میں وہ آئینہ دارِ محبُوبی
حریمِ عرش میں وہ یارِ آشنا کی طرح

وہ جس کا جذب تھا بیداریِ جہاں کا سبب
وہ جس کا عزم تھا دستورِ ارتقا کی طرح

وہ جس کا سلسلۂ جُود ابرِ گوہر بار
وہ جس کا دستِ عطا مصدرِ عطا کی طرح

سوادِ صبحِ ازل جس کے راستے کا غبار
طلسمِ لوحِ ابد جس کے نقشِ پا کی طرح

خزاں کے حجلۂ ویراں میں وہ شگفتِ بہار
فنا کے دشت میں وُہ روضۂ بقا کی طرح

وہ عرش و فرش و زمان و مکاں کا نقشِ مُراد
وہ ابتدا کے مطابق وہ انتہا کی طرح

بسیط جس کی جلالت حمل سے میزاں تک
محیط جس کی سعادت خطِ سما کی طرح

شرف ملا بشریت کو اُس کے قدموں میں
یہ مشتِ خاک بھی تاباں ہوئی سہا کی طرح

اُسی کے حُسنِ سماعت کی تھی کرامتِ خاص
وہ اک کتاب کہ ہے نسخۂ شفا کی طرح

وہ حُسنِ لم یزلی تھا تہِ قبائے وجُود
یہ راز ہم پہ کھلا رشتۂ قبا کی طرح

بغیرِ عشقِ محمدؐ کسی سے کھل نہ سکے
رموزِ ذات کہ ہیں گیسوئے دوتا کی طرح



ریاضؔ مدحِ رسالت میں راہوارِ غزل
چلا ہے رقص کناں آہوئے صبا کی طرح

نہ پوچھ معجزۂ نعتِ سرورِ کونین
مرے قلم میں ہے جنبش پرِ ہُما کی طرح

جمالِ روئے محمدؐ کی تابشوں سے ظفرؔ
دماغِ رند ہوا عرشِ کبریا کی طرح

وہ زندہ ہوں کہ فنا ہے مری بقا کی طرح
ابد کے دوش پہ ہوں پیرِ تسمہ پا کی طرح

فریبِ معنی و صورت ہے یہ جہانِ خراب
سبُو اٹھا کہ خدا بھی نہیں خدا کی طرح

غزالِ شہر کو دعوائے رم تو تھا، لیکن
کھڑے تھے ہم بھی سرِ رہ گزر قضا کی طرح

حریمِ ناز میں تھی تیزیِ نفس بھی گراں
معاملہ کسی گُل رُخ سے تھا صبا کی طرح

صفائے سینہ و رخسار کی زیارت کا
ہمیں بھی شوق تھا یارانِ باصفا کی طرح

شعورِ ذات کہاں تک کہ ہر زماں ہوئی گر
سیاستِ نگہِ چشمِ سُرمہ سا کی طرح



نہ جانے شب کو ہمارے سبو میں کیا شے تھی
سحر کو رُوح سبک سیر ہے ہوا کی طرح

مری طریقتِ رندی سمجھ سکا نہ کوئی
طریقِ زہد یہاں عام تھا وبا کی طرح

یہ نورِ عالمِ اسرار تو نہیں ہے کہیں
ہمارے جام میں کچھ شے ہے کیمیا کی طرح

ہم ایسی بزم میں کل صبح تک رہے کہ جہاں
سکوت بھی تھا لبِ زمزمہ سرا کی طرح

دراز دست کہاں ہیں کہ راہِ عشق میں بھی
ہزار خم ہیں خمِ گیسوئے دوتا کی طرح

نظر جو چہرۂ تحقیق پہ کریں مے خوار
نقابِ راز بھی اُترے تری قبا کی طرح

نہ رند کوئی ظفر کی طرح تھا رندِ خراب
نہ پارسا کوئی اس مردِ پارسا کی طرح

موسمِ گُل ترے انعام ابھی باقی ہیں
شہر میں اور گُل اندام ابھی باقی ہیں

اور کھل جا کہ معارف کی گزرگاہوں میں
پیچ اے زلفِ سیہ فام ابھی باقی ہیں

اِک سبُو اور کہ لوحِ دلِ مے نوشاں پر
کچھ نقوشِ سحر و شام ابھی باقی ہیں

ٹھہر اے بادِ سحر اُس گُلِ نورستہ کے نام
اور بھی شوق کے پیغام ابھی باقی ہیں

کم ہو کیا فتنۂ غزالانِ برہمن کہ یہاں
ہم سے کچھ بندۂ اسلام ابھی باقی ہیں

کھول کر مصرعِ کاکُل کی ہے لازم تشریح
اس نوشتے میں کچھ ابہام ابھی باقی ہیں



اُٹھو اے شب کے غزالو کہ سحر سے پہلے
چند لمحاتِ خوشِ انجام ابھی باقی ہیں

اے حریفانِ سبُو گوش بر آواز رہو
دامنِ وحی میں الہام ابھی باقی ہیں

انتظار اے دل و دیدہ کہ ہزاروں اسرار
سائے کی طرح تہِ جام ابھی باقی ہیں

سلسلۂ سرمد و منصور کا منسوخ نہیں
اور فہرست میں کچھ نام ابھی باقی ہیں

طول کھینچ اے شبِ میخانہ کہ سبک بیاد
بہ ہوسِ لذّتِ اقدام ابھی باقی ہیں

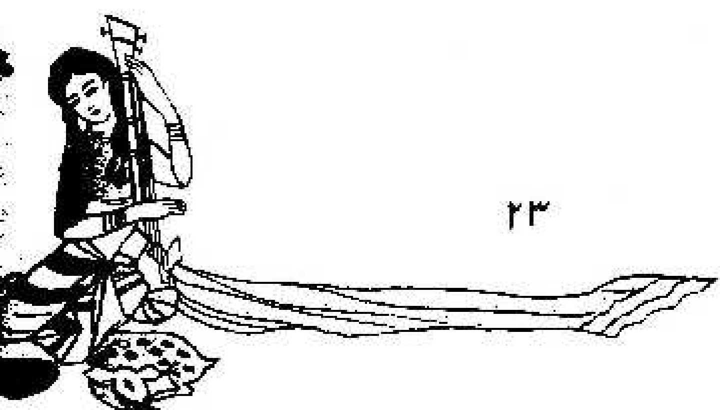
اے سہی قد تری نسبت سے اونچی قدریں
باوجودِ روشِ عام ابھی باقی ہیں

نقشِ جاوید بنا دے انھیں اے گردشِ جام
موسمِ گل کے جو ایام ابھی باقی ہیں

نقطۂ حسن سے ہے گردشِ پرکارِ نیاز
ہم بھی باقی ہیں کہ اصنام ابھی باقی ہیں

اور ابھی روند انھیں لے کفِ پائے تحقیق
دل میں سو طرح کے اوہام ابھی باقی ہیں
ہم سے میخانہ نشینوں کی جہالت کے سبب
قصصِ دارا و بہرام ابھی باقی ہیں!
ہم میں کل کے نہ سہی حافظ و خیام ظفرؔ
آج کے حافظ و خیام ابھی باقی ہیں

اُٹھا ساغر کہ مذہب ہے تو دینِ مے گساراں ہے
یہاں مسجودِ شبِ ہجر دولتِ سجدہ گزاراں ہے
یہاں تا صبح ہے تسبیحِ گیسو دستِ رنداں میں
یہ مے خانہ نہیں ہے صحبتِ شب زندہ داراں ہے



کل اک غزالِ شب سے جو گرمِ انجمن ہوئی
میرے سپردِ دولتِ شہرِ ختن ہوئی

اور تابِ دلبری تھی کسی کی قبا سے تنگ
کیا کیا نہ لطفِ شیشۂ حسنِ گلو بدن ہوئی

دن بھر تو باغ و راغ میں آزادگی بہت
شب کو سپردِ خلوتیانِ چمن ہوئی

ہوتا ہے صبح کو یہ مری بزمِ شب کا حال
جیسے یہاں ادا کوئی رسمِ کہن ہوئی

کل رات کنجِ خلوتِ میخانہ میں بہار
بے خود وہ تھی کہ بے خبرِ پیرہن ہوئی

اُس زلف سے کسی کی بر آئے گی کیا مراد
کھلنے کی دیر تھی کہ شکن در شکن ہوئی

پیکِ قضا نے کی جو سفر در رہِ فنا
قوسِ انتہائے شوق وہ قوسِ دہن ہوئی

کیا وقت کی بھی عشقِ غزالاں میں وہ تھی تیز
خود زندگی شکارِ غزالِ ختن ہوئی

اے زلف تیرے گمشدگاں کی تلاش میں
بھٹکی نسیم یوں کہ غریب الوطن ہوئی

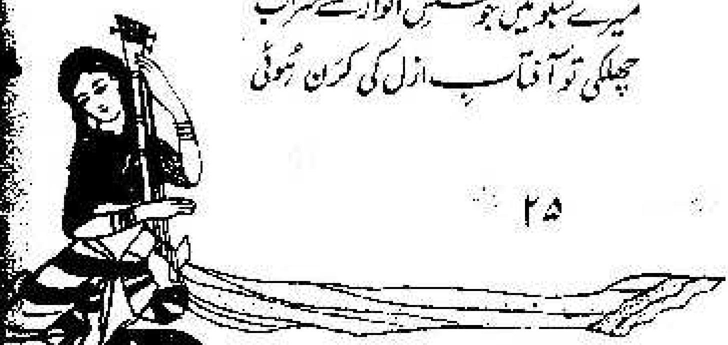
میری رسومِ شوق میں پردے کی تھی جو شرط
جو رسم ادا ہوئی پسِ شاخِ سمن ہوئی

ہم تک پہنچ نہ پائی کسی کی شمیمِ زلف
رستے میں ہی نسیمِ سحر راہزن ہوئی

پوچھو نہ گل رُخوں میں مری دستبردِ شوق
ہر پھول سی قبا شکن اندر شکن ہوئی

ہم جستجوئے حق میں جدھر سے گزر گئے
برپا وہیں قیامتِ دار و رسن ہوئی

میرے سبو میں جوششِ انوار سے شراب
چھلکی تو آفتابِ ازل کی کرن ہوئی



اب آخرت ہی نذرِ غزالِ حرم کریں
دُنیا تو نذرِ دُختکِ برہمن ہوئی!

کل رات ناگہاں مے و ساغر کے روبرو
رُوحِ ازل سے رُوح مری ہم سخن ہوئی

نغمے کی سی مہک ہے غزل میں مری ظفر
میرے سخن سے شہرتِ مُشکِ ختن ہوئی

عرشِ خُم سے شراب اُترتے دیکھی
رُوحِ مہ و آفتاب اُترتے دیکھی

مے خانے کی اصلاح نہ دیکھی گو یہاں
ہر روز نئی کتاب اُترتے دیکھی

آیا ہے وقتِ خاص پھر اہلِ نیاز پر
پھر سے بٹھاؤ جلوہ فروشانِ ناز پر!

سمجھیں گے مہوشوں کو حقیقت پرست کیا
آؤ مری طرف کہ سند ہوں مجاز پر

بزمِ قدح وُہ عالمِ اسباب ہے جہاں
کرتے ہیں غزنوی کو تصدق ایاز پر

کل رات محوِ سنبل و ریحاں تھی جب ہوا
میرا بھی تھا کرم کسی زلفِ دراز پر

ہم پر کشودِ زلفِ بتاں سے کھُلے وُہ راز
کھلتے نہ تھے جو گوشہ نشینانِ راز پر

یُوں زندگی پہ میری نظر ہے کہ جس طرح
اِک جسمِ مرمریں کے نشیب و فراز پر



وہ میں تھا مہ وشوں سے سلامت گزر گیا
یہ تجربہ کرو نہ کسی پاک باز پر

دنیا میں کوئی زہد سی بے وزن شے نہیں
رکھ دیجیے ترازو سے سوز و گداز پر

روکا کبھی جو نالۂ بے اختیارِ شوق
ناگاہ ضرب آ پڑی دل کے ساز پر

کھینچو کچھ اس طریق سے اے مغبچو شراب
لے آؤ کھینچ کر اسے سطحِ جواز پر

آئے جو مدرسے میں قبا اُس کی زیرِ بحث
سب راز آشکار ہوں جویانِ راز پر

کیا خوب کی ہے شوق نے خدمت کہ سپرد
مامور ہوں مساحتِ زلفِ دراز پر

آئے فنا کا ذکر تو گردش میں لا کے جام
پھینکو کمندِ خضر کی عمرِ دراز پر

دیکھے ہیں ماورائے حقیقت ہم نے خواب
سر رکھ کے آستانۂ حسنِ مجاز پر

دنیا نہیں ہے بخششِ دو سہ سجدہ ہائے شوق
پابندیاں نہ ہوں جو طریقِ نیاز پہ
آدم کے بُغض و شر سے جو ہو جائے رُوشناس
ابلیس خُود بضد ہو سجودِ نیاز پہ!
مہ وش ہیں رقص میں ظفرؔ اُٹھو غزل کہو
بانہوں کے لوچ اور بدن کے گداز پہ

خراباتی سہی اسرار کا گنجینہ رکھتے ہیں
کرامت ایک زیرِ خرقۂ پشمینہ رکھتے ہیں
نہ روک اے احتیاطِ دل کہ ہم یارانِ میخانہ
غزالِ شہر سے رسم و رہِ دیرینہ رکھتے ہیں
یہاں تخمین و تقسیمِ زماں ہے گردشِ ساغر
کہاں مے کش حسابِ شنبہ و آدینہ رکھتے ہیں



دُور رس شب کے غزالوں کی نظر ہوتی ہے
انھیں سب میرے ارادوں کی خبر ہوتی ہے

حلقۂ شب میں سُلیماں سے سوا ہے مری ذات
مَیں جو دیتا ہُوں اجازت تو سحر ہوتی ہے

مے کشی ہوتی ہے بے موسمِ گُل بھی لیکن
موسمِ گُل میں یہ اندازِ دگر ہوتی ہے

کر سکے گی نہ وفا زہرہ وَشوں کو تسخیر
یہ مہم اور ہی ترکیب سے سر ہوتی ہے

اے سراپا ہمہ لذّات و ہمہ شیرینی
رُوح میں حل ترے ہونٹوں کی شکر ہوتی ہے

کھینچ کر کیجیے معلوم کہ کیا ہے خمِ زُلف
ہیچ وُہ شے ہے جو بے نقد و نظر ہوتی ہے

وقت کی بھی سرِ خلوت کدۂ مے خواراں
کسی آہو کی سی رفتارِ سفر ہوتی ہے

خلوتِ گُل میں سبُو سے ہے وہ گرمی کہ نہ پُوچھ
جو کلی شاخ سے گرتی ہے شرر ہوتی ہے

چل رہا ہُوں بہ نقوشِ قدمِ موسمِ گُل
جانتا ہُوں جو تری راہگزر ہوتی ہے

آہوئے شب کے لیے خطِ مقدر ہُوں میں
کیا مقدر سے کہیں راہِ مفر ہوتی ہے

میری ہر رات کی مدّت بحسابِ رندی
زلف سے تا بہ خطِ ساعدِ زر ہوتی ہے

ذکر جس میں ہو جمالِ سُبک اندامان کا
گفتگو وہ سُبک از بادِ سحر ہوتی ہے

لئے اے رُوحِ سلیماں کہ ہوئی بند شراب
ٹوٹے شہرِ سبا شہر بدر ہوتی ہے

رقص کرتا ہُوں جو راتوں کو بھی جام کے ساتھ
زندگی ہمسفرِ شمس و قمر ہوتی ہے



مے گساروں کے لیے عزّت و شہرت کی ہے چیز
فردِ اعمال کہ فہرستِ ہنر ہوتی ہے

جام چھلکاؤ کہ اس رسمِ طریقت کے بغیر
ہاؤ ہُو شوق کی عنانِ زاثر ہوتی ہے

ہیں وُہ نوشاہِ گلستاں ہُوں کہ راتوں کو ظفر
میری پہچان کلاہِ گُلِ تر ہوتی ہے!

عشق ہو عشق تو دُوری میں بھی ہے لذّتِ خاص
اِس کا اِمکاں کہ یہ دُوری کبھی کم ہو نہ سہی

سجدۂ شوق غنیمت ہے جہاں ہو جائے
اِس میں یہ شرط کہ محرابِ حرم ہو نہ سہی

میرے رُو برُو جو بھی مے کشانِ خام آ گئے
صُبح تک گُل و مُل کے معرکوں میں کام آ گئے

اے سلوک کی راہرو وُہ بھی اِک مقام آ گئے
میں سبُو اٹھاؤں اور عرش سے سلام آ گئے

پردۂ ازل میں ہے اک غزالِ رم خوردہ
اے دراز دستو آج وُہ بھی زیرِ دام آ گئے

اہلِ مدرسہ سمجھیں کیا کھنک کو ساغر کی
یہ کہاں کے حق جُو ہیں کیا اِنھیں پیام آ گئے

بُت تو درحقیقت ہیں یادگارِ مے خانہ
بچ رہے جو رِندوں سے برہمن کے کام آ گئے

ناگہاں جو یاد آ گئے رِشتہ ہائے دیرینہ
ذہن میں ہزاروں ہی مہ وشوں کے نام آ گئے

کل بوقتِ مے نوشی کائنات کے اسرار
تہ سے صف بہ صف اُبھرے تا محیطِ جام آ گئے



میرے رُو برُو جو بھی مے کشانِ خام آئے
صُبح تک گُل و مُل کے معرکوں میں کام آئے

اے سلُوک کی راہو وُہ بھی اِک مقام آئے
میں سبُو اٹھاؤں اور عرش سے سلام آئے

پردۂ ازل میں ہے اک غزالِ رم خوردہ
اے درازدستو آج وُہ بھی زیرِ دام آئے

اہلِ مدرسہ سمجھیں کیا کھنک کو ساغر کی
یہ کہاں کے حق جُو ہیں کیا انھیں پیام آئے

بُت تو در حقیقت ہیں یادگارِ مےخانہ
بچ رہے جو رندوں سے برہمن کے کام آئے

ناگہاں جو یاد آئے رشتہ ہائے دیرینہ
ذہن میں ہزاروں ہی مہوشوں کے نام آئے

کل بوقتِ مے نوشی کائنات کے اسرار
تہ سے صف بہ صف اُبھرے تا محیطِ جام آئے



آؤ، راہ پر لائیں مدرسہ نشینوں کو
آدمی وہی تو ہے جو کسی کے کام آ جائے

تُو بادہ برسے تو اس طرح کہ تر شکا ہو،
زلفِ دلبراں کھولو، اس طرح کہ شام آ جائے

میں ولیِ مے خواراں، مرشدِ غلط کاراں
ذہنِ بے شعوراں میں کیا مرا مقام آ جائے

دخترانِ گل میرے گرد ناچتی آئیں
میں چمن میں کیا آیا گوپیوں میں شیام آ جائے

جن کی زلف کا ہر پیچ ایک مصرعِ تر تھا
بزمِ شب میں ایسے بھی قادر الکلام آ جائے

احترام اے دنیا، وہ گدا آئے تو ہوں میں
راست جس کے قامت پہ خلعتِ دوام آ جائے

دامنِ گلستاں میں کچھ ورق ہیں پھولوں کے
اے نسیم یہ نامے کس جواں کے نام آ جائے

اس طرح غزل خواں ہو اے ظفر بہاروں میں
خلوتِ گل و مل سے پھر صلائے عام آ جائے

شیدائیِ خوبانِ قبا پوش رہے ہم
مشکل سے کوئی شب تہی آغوش رہے ہم

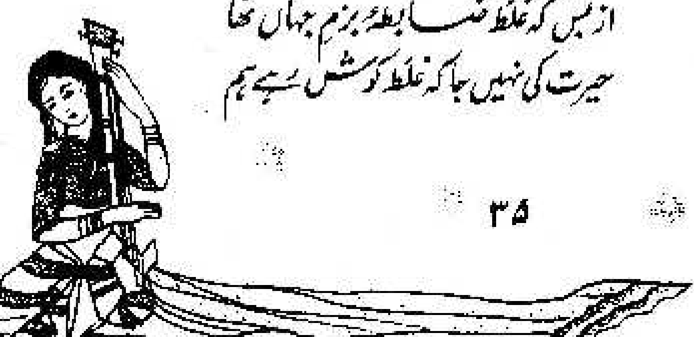
اے بادِ سحر! شوق میں اُس زُلفِ دوتا کے
پہنچی ہے جہاں تُو ترے ہم دوش رہے ہم

پیرِ حرم و دعویِٔ اسرار و کرامات!
آداب سے تھے ملحوظ کہ خاموش رہے ہم

کیا چیز ہماری بھی جوانی تھی، نہ پوچھو
اپنے لیے خود راہزنِ ہوش رہے ہم

ہوتا ہے جو درپے تو زمانے کی نہیں خیر
اب تک تو خطا بخش و خطا پوش رہے ہم

از بس کہ غلط ضابطۂ بزمِ جہاں تھا
حیرت کی نہیں جا کہ غلط کوش رہے ہم



اے محتسبو چشمِ غزالانِ خرابات
ایسی ہی بلا تھی کہ بلانوش رہے ہم

اے ہوشربا! نگہِ لطف ادھر بھی
برسوں ہدفِ آگہی و ہوش رہے ہم

کیا جانیے کیا زہد سے لاتے نئی آفت
اتنا ہی غنیمت ہے کہ مے نوش رہے ہم

اے عشقِ جلالی ستمِ ماہ وشاں کیا
اُلٹے ستمِ ایجاد ستم کوش رہے ہم

وہ شاخِ سمن صبح کو تھی نقشِ سعادت
جس سے ترے دھوکے میں ہم آغوش رہے ہم

اے ہمنفسو گوشِ عروسِ دو جہاں میں
تابندہ مثالِ گہرِ گوش رہے ہم

شوق اپنا قیامت تھا کہ اس کاشگل میں
جوشانِ صفتِ بادہ سرجوش رہے ہم

کیا کیا نہ سرِ مدرسۂ علم اٹھا شور
ہم خلوتیِ راز تھے خاموش رہے ہم

یہ جبرِ ازل کا ہے نتیجہ کہ بہ اکراہ
پیماں شکن و عہد فراموش رہے ہم
شاید کوئی دے پردۂ اسرار سے آواز
کل مجلسِ مے میں ہمہ تن گوش رہے ہم
کیا شے تھی لطافت صحبتِ یار سبک اندام
ہر شے سے زمانے میں سبکدوش رہے ہم

دل زور پہ ہے رندی و سرمستی کر
پیمانہ بکف شرحِ غمِ ہستی کر
اس طرح نہ ہاتھ آئے گی لیلائے شباب
اے جرأتِ رندانہ زبردستی کر



شکن اندر شکن ہے زلفِ ساقی
اُٹھو کوئی ثبوتِ خوش مذاقی
اُٹھا ساغر کو میخواروں کے آگے
نہیں چلتی کسی کی طمطراقی

ابھی بادِ خزاں کا ڈر نہیں ہے
بہاریں ہیں مرے ساغر میں باقی
نسیم اُس زلف کے بوسے ہی اُڑاقی
میں آ پہنچا بہ امرِ اتفاقی

حمائل ہیں ابد کے گرد بانہیں
قیامت ہے مری پُر اشتیاقی

دھڑکتی ہے رگ و پے میں محبت
کہ جیسے در پہ دستک دے ملاقی

مذاقِ بت پرستی و دینِ حق ہے
یہ ربِ عاشقی و اشتیاقی!

شکستِ شب میں جب تک میں نہ پہنچا
گل و بلبل میں رہی نا اتفاقی

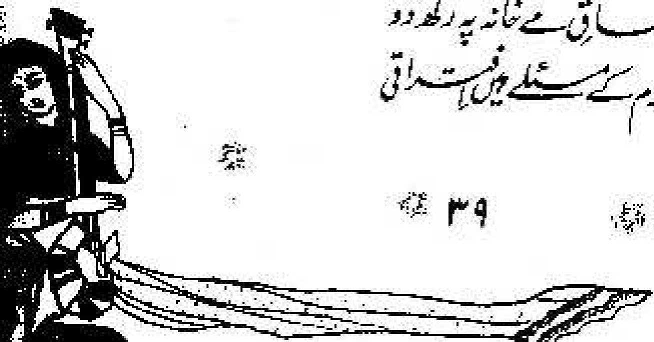
سبو کی اوٹ آؤ بیٹھ جائیں
ہوائیں چل رہی ہیں افتراقی

ابد کے در پہ دستک دے کے کہہ دو
کہ مے خانے سے آئے ہیں ملاقی

اٹھو اس طرح اے کالی گھٹاؤ
کہ پہنچے سلسلہ تا زلفِ ساقی

محبت کچھ سہی لیکن یہ شے ہے
کہ از حادثاتِ اتفاقی

اٹھا کر طاقِ مے خانہ پہ رکھ دو
حرم کے مسئلے ہیں افتراقی



ٹھہر جا اے مری عمرِ گریزاں
کہ مجھ کو ذوقِ نو خیزاں ہے باقی

عزیزو ہم تو کیا باقی رہیں گے
رہے گا مہوشوں کا نام باقی!

ظفر تیری غزل کیا تھی کہ اب تک
ہواؤں میں ہے آہنگِ عراقی

زندہ ہوں شکستِ پارسائی کے لیے
صرصر ہوں چراغِ خودنمائی کے لیے
یہ میرا سبو بکف لرزتا ہوا ہاتھ
کافی ہے محتسب کی کلائی کے لیے

اِدھر یہ دیر قیامت میں بھی کہ ہُو کرتے
اُدھر سے مغبچے دوڑے سبُو سبُو کرتے

مقابلے میں جو آتی تو ہم سے دستِ دراز
خراب گردشِ دوراں کی آبرُو کرتے

اِس انتظار میں زندہ عرُوسِ گل ہے کہ ہم
اِدھر بھی آئیں گے تنظیمِ رنگ و بُو کرتے

ہمارے ہاتھ سے ہوتا لباسِ نَو جو چاک
اِسے رگِ گلِ نورستہ سے رفو کرتے

خدا گواہ کہ پروردگار ہوتے ہم
ذرا سی اور اگر جرأتِ نمو کرتے

بچے نہ دستِ زلیخائے نوبہار سے ہم
قدح بدست تھے کیا حفظِ آبرُو کرتے

ہجومِ زہرہ وشاں تھا کہ عالمِ اسرار
ہم آ گئے ہیں کہاں سیرِ رنگ و بُو کرتے



وہ ہم نے پردۂ اسرار پر کیے ہیں ستم
کہ عمرِ خضر گزر جائے گی رفو کرتے

ہم اُس جہاں میں تجھے کل شب کسی کے ساتھ کہ گو
صبا کی طرح بھٹکتے جو جستجو کرتے

شبِ بہار نہ تھی اس قدر دراز کہ ہم
تری بہار کا اندازۂ نمو کرتے

ہمارے دوش پہ کھلتی تو تیری زلف کے خم
نسیمِ صبح کے لہجے میں گفتگو کرتے

اِدھر سے ہو کے گزرتی تو ہم بہار کے ساتھ
غزال بن کے غزالوں کی جستجو کرتے

سیاہیِ رُخِ اہلِ ریا تھی بے درماں
ہزار کوثر و تسنیم سے وضو کرتے

وہ صاف گو ہیں کہ ہم تو فقیہِ شہر سے بھی
پری وشوں کی ثنا کرتے جو گفتگو کرتے

بلائے جاں ہیں ظفر دلبرانِ حلقۂ شب
بجا تھا ہم بھی اگر دلبری کی خو کرتے

اُٹھو بند سب خانقاہیں کریں
تلاش اور ہی جلوہ گاہیں کریں

زمانہ اگر برسرِ جنگ ہو
تو کچھ اور بھی ہم کلاہیں کریں

بڑی چیز ہے خانقاہوں کی آڑ
یہاں اب مزا ہے جو چاہیں کریں

شبِ آخر ہے اے میری ہم رقص آ
مقرر ستاروں کی راہیں کریں

اُٹھو جام چھلکائیں اور زیبِ سر
گل و نسترن کی کلاہیں کریں

مَیں وہ متقیِ خرابات ہوں
کہ سجدے مجھے خانقاہیں کریں



اُٹھی تھی نگاہوں نگاہوں میں بات
تو اب فیصلہ بھی نگاہیں کریں

شراب آئے تو سرخوشانِ بہار
پریشں ہوا میں کلاہیں کریں!

گلستاں میں پھر لوٹ آئے بہار
اشارا اگر وہ نگاہیں کریں

فقیہانِ شہر آج مدہوش ہیں
اُٹھو غائب اِن کی کُلاہیں کریں

بلاؤ کوئی شمع رُو صوفیو!
چراغاں تصوف کی راہیں کریں

صفِ مہ وشاں سے جو گزریں ظفر
تعاقب ہزاروں نگاہیں کریں

کہیں تانیں کہیں اذانیں ہیں
سب مرے شوق کی اُڑانیں ہیں

میرے دورِ شباب سے منسوب
بڑی پُرلطف داستانیں ہیں!

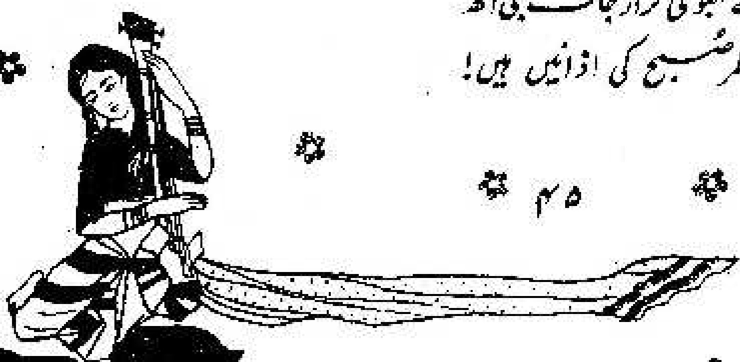
ہائے کیا چیز ہے سبُو کی کھنک
ہر کھنک میں ہزار تانیں ہیں

قیمتِ حق بھی ہے سرِ فہرست
کیا ستم زہد کی دُکانیں ہیں

حُسن کا رازداں ہُوا ہوں کہ مری
اِسی محور کے گرد اُڑانیں ہیں

آرزوئیں نہیں ہیں دل میں مرے
اَن سُنے زمزموں کی تانیں ہیں

اے صبُوحی گزار جاگ بھی اُٹھ
منتظر صبح کی اذانیں ہیں!



رات کے معرکوں میں میرے سپرد
لشکرِ شوق کی کمانیں ہیں

رقص میں ہاتھ توڑنے والے
تیرے بازو نہیں ہیں تانیں ہیں

اٹھو رندو کہ دعوتِ تسبیح
بربط و چنگ کی اذانیں ہیں

زلف و ابرو ہیں درپئے میخوار
یہ کمندیں ہیں دو کمانیں ہیں

طول کھینچ اے شبِ چمن کہ دراز
گل و سنبل کی داستانیں ہیں

اے قیامت بپا بھی ہو کہ بضد
کسی نوخیز کی اٹھانیں ہیں

دیکھ کر جام اٹھا کہ بند اس میں
مری راتوں کی داستانیں ہیں

اٹھ ظفر مدرسے سے کچھ آگے
مے فروشوں کی بھی دکانیں ہیں

گردشِ شام و سحر سے ہیں قدح خوار یہی
بھر نہ اسے موسمِ گل ان سے دمِ ہم سفری

ہو کے میخانے سے گزری جو نسیمِ سحری
میگساروں میں اُٹھا ولولۂ ہم سفری

شب کو کیا شے تھی سبُو میں کہ سحر کے ہنگام
چشمِ مے خوار میں ہے نورِ فراستِ نظری

بات اُس زُلف کی کرتا ہوں تو کُھل جاتے ہیں
میرے الفاظ میں انفاسِ نسیمِ سحری

ساتھ لے جائے نسیمِ سحری کو کوئی رند
ہائے اِس آہوئے آوارہ کی تنہا سفری!



ایک ترکیب ہے تسخیرِ غزالاں کے لیے
ورنہ میں اور یہ بدحالی و شوریدہ سری

پھینک اے عشق نہ میخانہ نشینوں پہ کمند
کج کلاہوں کو نہ راس آئے گی شوریدہ سری

مجھ کو اے شاہدِ مینا نہ دمِ صبح نہ بھول
یاد کر معرکۂ شب میں مری بے جگری

منزلِ دار و رسن میں تھے ہزاروں منصور
میں نے بخشا نہ کسی کو شرفِ ہم سفری

شک ہے مجھے واعظِ خوش گو کی کرامت میں نہیں
اس کی ہر بات میں ہے معجزۂ بے اثری

ناگہاں سارے زمانے کے ہنر روند گیا
شاہدِ شب کر تھا آراستہ بے ہنری

کوئی کل رات تری بزم میں پہنچا تو سہی
یہ نہیں یاد، وہ میں تھا کہ مری بے خبری

شوقِ سیاحیِ گیسو نے کہاں پہنچایا
میں ہوں اور عالمِ اسرار میں تنہا سفری

شب کو جو رقصِ غزالاں نے مقرر کر دیں
دن کو گزریں انہیں راہوں سے نسیمِ سحری
خلوتِ بادہ میں ادراک کی قدریں ہیں الگ
نہ یہاں کوئی خبر ہے نہ کوئی بے خبری
یہ ظفر کی ہے غزل یا یہ طلسمِ اشعار
اُڑ کے پہنچی ہے کوئی شہرِ سلیماں سے پری

غنچوں سے مِلا کے لب سیئے جاتا ہوں
تسخیرِ عروسِ گل کیئے جاتا ہوں
اے شحنۂ شہر روک سکتا ہے تو روک
بہکا کے بہار کو لیئے جاتا ہوں



مزے جو شب کے سبو سے دوچند ہوتے ہیں
کچھ اور میرے ارادے بلند ہوتے ہیں

میں ایسی منزلِ زندگی میں ہوں تنہا جس کے ساتھ
غزال جوشِ تنگ و وقت مند ہوتے ہیں

جھجک نہ بادہ گساروں سے لے غزالۂ شب
یہ لوگ سب بے ضرر و بے گزند ہوتے ہیں

دلوں کی خیر نہیں ہے کہ اسکی زلف کے پیچ
جو کھول دو تو بجائے کمند بنتے ہیں

عیارِ حسن کی کرتے ہیں رات بھر تحقیق
مری طرح جو حقیقت پسند ہوتے ہیں

برا ہو دل کا ادھر پائے ابر آتا ہے
ادھر وظائفِ خلوت دوچند ہوتے ہیں

شعورِ رم انھیں آئے تو کس طرح آئے
نئے غزال نخوردہ گزند ہوتے ہیں

شہِ بہار ہُوں آگے مرے شمیم و صبا
نقیب ہیں کہ سوارِ سمند ہوتے ہیں

ہجومِ گل وہ مرے ساتھ ہے کہ بہرِ خزاں
اِدھر جو راستے آتے ہیں بند ہوتے ہیں

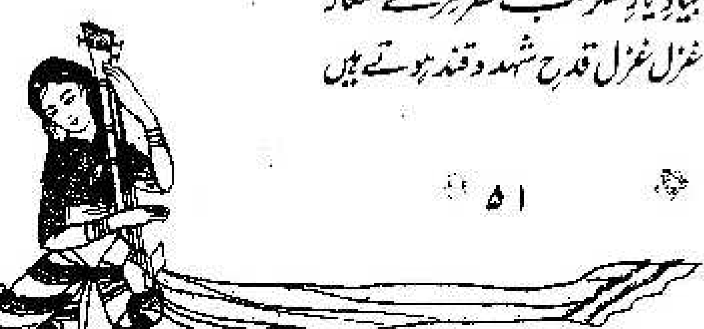
وُہ زُلف وش پہ کُھلتی ہے یُوں کہ کون و مکاں
خرابِ آرزوئے یک زقند ہوتے ہیں

مزے میں آئیں جو تسخیرِ حسن ہو دشوار
قدح پرست کہ مشکل پسند ہوتے ہیں

نیا کرو کوئی اقدام مہ وشوں کیلیے
نئے طریق یہاں سُود مند ہوتے ہیں

صلا ہے اہلِ نظر کو کہ میرے ساغر میں
ہزار عالمِ اسرار بند ہوتے ہیں

بیادِ یارِ شکر لب ظفر مرے اشعار
غزل غزل قدحِ شہد و قند ہوتے ہیں



آؤ آغوشِ گل میں سو جائیں
صبح تک نو بہار ہو جائیں!

اے کہ وہ لالہ رُخ کہ سب بے موسم
دل میں تخمِ بہار بو جائیں!

آؤ بانہوں میں ڈال کر بانہیں
شوق کے راستوں میں کھو جائیں

خواب آور ہے تیرے زُلف دراز
اگر ارشاد ہو تو سو جائیں

یہ ارادہ ہے اے سمن اندام
سل تری دل کشی میں ہو جائیں!

کیا کرے گی نسیمِ صبح بھی یاد
اس میں خوشبو تری سمو جائیں

ہائے وہ وقتِ خاص جب دو دل
بے ارادہ قریب ہو جائیں!

آؤ دل نذرِ مہ وشاں کر کے
روح کو رنگ میں سمو جائیں

ختم ہو گا کہیں تو سیلِ بہار
آؤ ہم تم بھی ساتھ ہو جائیں

اے ستارو ہمیں خبر کرنا
جب غزالانِ شہر سو جائیں

کیا سفینے کا بحرِ عشق میں کام
اسے ساحل پہ ہی ڈبو جائیں

آؤ کافر جوانیوں کو ظفر
سلکِ اشعار میں پرو جائیں



اُٹھو زمانے کے آشوب کا ازالہ کریں
بنامِ گل بدناں رقص تا پیالہ کریں
بیادِ دیدۂ مخمور پے پیالہ کریں
اُٹھو کہ زہر کا پھر زہر سے ازالہ کریں

وہ رند ہیں نہ اُٹھائیں بہار کے احساں
ورود ہم تری خلوت میں بے حوالہ کریں
اگر ہو گردشِ شام و سحر سے خدشۂ شر
ہم اس کو زیر بہ یک گردشِ پیالہ کریں

کہاں کے دیر و حرم آؤ ایک سجدۂ شوق
بیادِ ہوش ربایانِ بست سالہ کریں
برس پڑے جو گلستاں میں اُس نظر سے شراب
بہک بہک کے ہم آگے بڑھ کے لالہ کریں

سبو اٹھا کہ گدایانِ کوئے میخانہ
ترے سپرد مہ و مہر کا قبالہ کریں

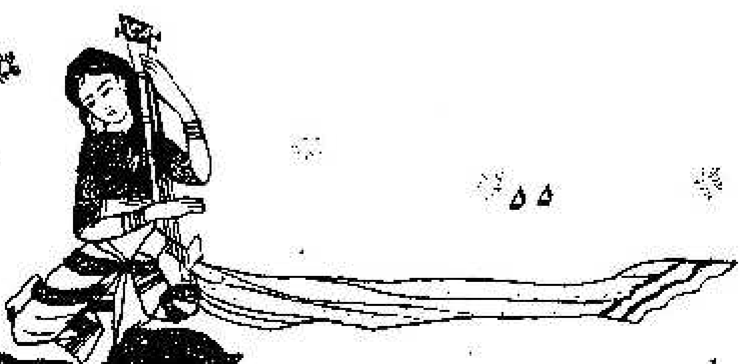
اٹھو جلا کے مئے سرخ سے چراغ ابد
نشاطِ صحبتِ شب کو ہزار سالہ کریں

تلاشِ دوست سحر کو کریں سپردِ نسیم
غزالِ صبح روانہ پئے غزالہ کریں

اٹھا وہ ابرِ بہاراں اٹھو کہ آج اسے
شریکِ گریۂ شاہد و پیالہ کریں

خطِ سبو تری آیاتِ دلکشا کی قسم!
یہ آرزو ہے تجھے زیبِ ہر مقالہ کریں

ادا وہ نیچی نگاہوں کی ہے کہ جیسے ظفر
تلاشِ گنجِ غزالانِ خورد سالہ کریں!



ہاتھ میں جب قدحِ مے ہو گا
کوئی جمشید کوئی کے ہو گا

آج اُن سے ہے ملاقات کا قصد
کچھ سِوا تحفۂ گُل سے ہو گا

حُسن تھا میری نظر کی ایجاد
لوگ سمجھے کہ بڑی شے ہو گا

فیصلہ یارِ گُل اندام سے آج
رُو برُوئے قدحِ مے ہو گا

منزلِ شاہدِ مے دُور سہی
راستہ رقص کُناں طے ہو گا

شہرِ آشوبِ قیامت معلوم
ترے قامت سی کوئی شے ہو گا

آدمی اور نہ ہو، تر دامن!
یہ تقاضائے ازل سے ہوگا

سرِ بُت خانہ مری آمد پہ
ناگہاں شورِ دف و نے ہوگا

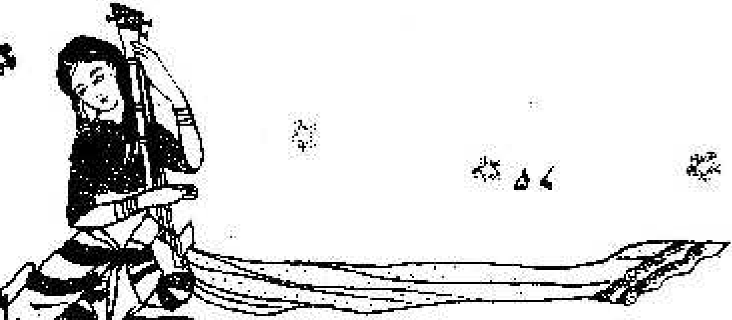
غنچۂ لب ہے بلا سے چٹکے
ہائے چٹکے گا تو کیا شے ہوگا

آج دیوانوں کے در پے ہے سہی عشق
کل تری زلف کے در پے ہوگا

دل ہے اور عشق کے سینے کے اندر
کیا عجب زمزمۂ نے ہوگا

زندگی اور بغیرِ گل و مُل
کس طرح اب یہ سفر طے ہوگا

سرخوشی میں مرا ہر شعر ظفر
اک نئی تان، نئی لے ہوگا



مے بے خودی راز ابھی کیا کھولے
اور تھوڑا سا شرابی ہو لے

صُبح دم کس کو بُلاتی ہے نسیم
بزمِ شب میں کوئی ہو تو بولے

کوئی گُل سے سبک اندامُوں کو
کیا ترازو سے وفا میں تولے

اے بہارو ابھی برساؤ نہ پھول
بات اُن سے کوئی مِلے تو ہو لے

ہے اگر خوابِ گہِ دوست کا قصد
ساتھ چپکے سے صبا کے ہو لے

اُٹھو اے دست درازانِ بہار
بند غنچوں نے قبا کے کھولے

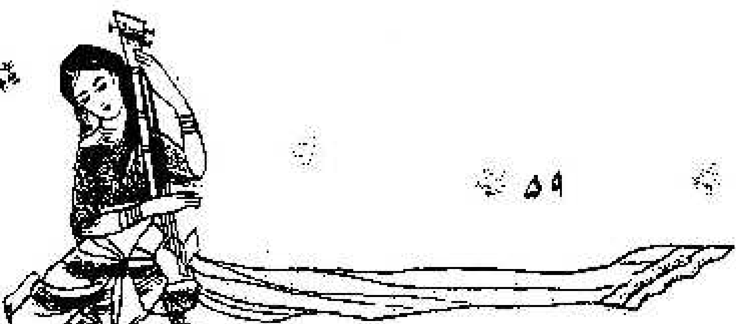
ہم سے دیوانے جو آئیں سرِ بزم
شمع پروانے کی بولی بولے

آؤ میخانے پہ یلغار کریں
پرچمِ سنبل و ریحاں کھولے

ہم نے لَو سے تری اے جامِ شراب
شبِ یلدا میں اُجالے گھولے

خلوتِ شب کے غزالو ٹھہرو
آخری رسمِ سحر تو ہولے

ذہن میں شعر اُترتے ہیں ظفر
جس طرح جوہری موتی رولے



سمن بروں سے غنیمت ہے رسم و راہ رہے
اگر سیاہ ہے فردِ عمل سیاہ رہے

جہاں جہاں یہ گئی ہے دیا ہے ساتھ اس کا
ہمارے شوق کی بادِ سحر گواہ رہے

تمہیں کہو کہ کسی کو نظر میں کیا لائیں
قدح پرست کہ شاہاں سے بے کلاہ رہے

مزا تو جب ہے کہ رندوں کا نامۂ اعمال
کسی کی زلفِ دوتا کی طرح سیاہ رہے

حصار ہم نے بھی کھینچا تو بے نیازی کا
تری نگاہ کے حملے بھی بے پناہ رہے

کروں اگر سببِ زہد و اتقا پہ نظر
کوئی گناہ نہ میرے لیے گناہ رہے

غریبِ شہر ہوں اے خسروانِ حُسن و جمال
مری طرف بھی ذرا گوشۂ نگاہ رہے

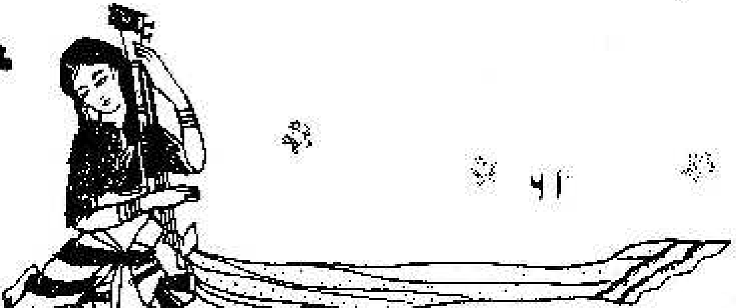
رموزِ سترِ ازل ہم سے آ کے کرو دریافت
کہ ہم بھی خدمتِ رنداں میں گاہ گاہ رہے

نہ پوچھ عشقِ جلالی کا طمطراق کہ ہم
جس انجمن میں رہے مرکزِ نگاہ رہے

جبینِ اہلِ خرابات رشکِ طُور ہُوئی
جو مدرسے کے حواری تھے رُو سیاہ رہے

ہمارا جہل ہُوا آشنائے خلوتِ راز
جو اہلِ علم تھے مردودِ بارگاہ رہے

زباں دراز نہ ہو جوشِ بیخودی میں ظفر
گدا کو پاسِ ادب رُوبروئے شاہ رہے



سب حریفانِ صفِ شب ہیں شراب آلودہ
ان سے مل بیٹھ نہ اے شاہدِ خواب آلودہ

رنگِ شب کیا تھا کہ ہے صبح کی تنہائی میں
اِک سکوتِ غزل آمیز و رباب آلودہ

رقص کرتی رہی میخانے کے در پر مرے ساتھ
شب کہ تھی گردشِ دوراں بھی شراب آلودہ

واعظِ شہر ہو کیا صاحبِ اسرار و رموز
اُس کا سرمایۂ حکمت ہے کتاب آلودہ

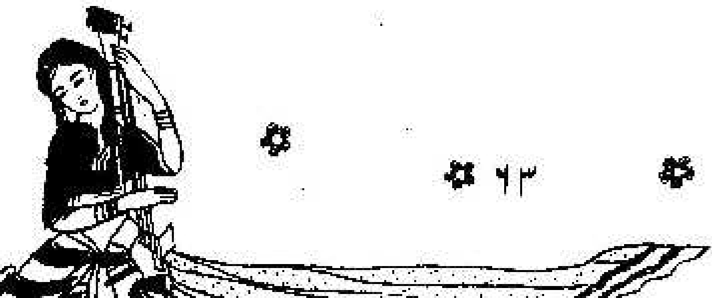
جس میں کھلتی ہے کوئی زلف ہمارے ہاتھوں
صبح اُس رات کی ہوتی ہے سحاب آلودہ

ٹھہرو اے عرض گزارانِ درِ حُسن و جمال
نہ کرو حُسنِ گزارش کو جواب آلودہ

کر گئے ذہنِ دو عالم کو خراب و سرشار
شب جو مہکے مرے انفاس شراب آلودہ

صُبح کیا یاد ہو ہم سے ہُوا کیا کیا سرزد
شبِ میخانہ تھی خواب آور و خواب آلودہ

ورقِ غنچہ نہیں حلقۂ خُوباں سے ظفر
نامے آتے ہیں مرے نام گُلاب آلودہ



بغیرِ ساغر و یارِ جواں نہیں گزرے
ہماری عمر کے دن رائیگاں نہیں گزرے

ہمارے دورِ جوانی میں آہوان بہت
سلامتی سے سرِ گلستاں نہیں گزرے

ہجومِ گل میں رہے ہم ہزار دست دراز
صبا نفس سے تھے کسی پہ گراں نہیں گزرے

رہِ حیات سے گزرے تو اور بھی لیکن
سبو کشوں کی طرح گلفشاں نہیں گزرے

وہاں سے بھی گزر آئے ہم لے نسیم خیال
ابھی جہاں سے ترے کارواں نہیں گزرے

کبھی تھی بُوئے سمن اور کبھی تھی بُوئے گلاب
شمیمِ زلف پہ کیا کیا گماں نہیں گزرے

نمود اُن کی بھی دورِ سبو میں تھی کل رات
ابھی جو دورِ تہِ آسماں نہیں گزرے

نقوش پا سے ہمارے اُگے ہیں لالہ و گل
رہِ بہار سے ہم بے نشاں نہیں گزرے

وہی اماں میں ہیں جن کے مشاہدے سے ابھی
تری نظر کے رموزِ نہاں نہیں گزرے

ابھی اک اور نظر اے غزالِ مجلسِ شب
ابھی تو جاں سے ترے نیم جاں نہیں گزرے

غلط ہے ہم نفسو اُن کا زندگی میں شمار
جو دن بخدمتِ پیرِ مغاں نہیں گزرے

قدح پرست وہ آزادہ رو ہیں جن پہ کبھی
حوادثِ قفس و آشیاں نہیں گزرے

ہماری مجلسِ شب میں ادب کی حد سے کبھی
موکلانِ زمان و مکاں نہیں گزرے



ہماری کوئی شب ایسی نہ تھی کہ عرش سے ہم
لیے ہوئے قدحِ کہکشاں نہیں گزرے

وہ راستے گل و ریحاں سے روشناس نہیں
جہاں سے طائفہ ہائے بتاں نہیں گزرے

ہر انجمن تھی ہماری گل و سبو سے جناں
جہاں سے ہم بہ ہوائے جناں نہیں گزرے

ظفر کا مشربِ رندی ہے اک جہاں سے الگ
مری نگاہ سے ایسے جواں نہیں گزرے!

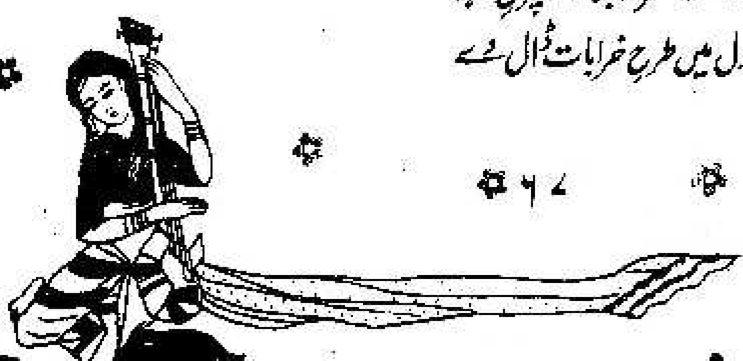
ہر شہر کو نہ قالبِ جنت میں ڈھال دے
آدم کو اس جہاں سے بھی یا رب نکال دے

پھر جا رہا ہوں رقص کناں سوئے بزمِ دوست
کونین کو کوئی مرے قدموں میں ڈال دے

اے فصلِ گُل ہمارے سبو کے جواب میں
تجھ سے بھی ہو سکے تو کوئی پھول اُچھال دے

پھر حل کسی سے مسئلۂ زندگی نہ ہو
اے زلفِ دوست اس میں کوئی پیچ ڈال دے

جھک جائے وہ نظر تو جلائے چراغِ زہد
اُٹھے تو دل میں طرحِ خرابات ڈال دے



اے شیخ شہر زہد میں کچھ دلکشی نہیں
اس سے کوئی گناہ کا پہلو نکال دے

در کھٹکھٹا رہی ہے مرا شورشِ حیات
اے ساغرِ شراب ابھی اس کو ٹال دے

سرکش اگر ہو زہد تو زلفِ سیاہ کو
کھول اور کمندِ گردنِ ایماں میں ڈال دے

شرکت میں جام و یارِ گل اندام کی ظفرؔ!
وہ کارِ خیر کر جو ترا نام اچھال دے

قدح کشانِ صفِ کیقباد و جم آئے
بہار مسندِ گل سے اُٹھے کہ ہم آئے

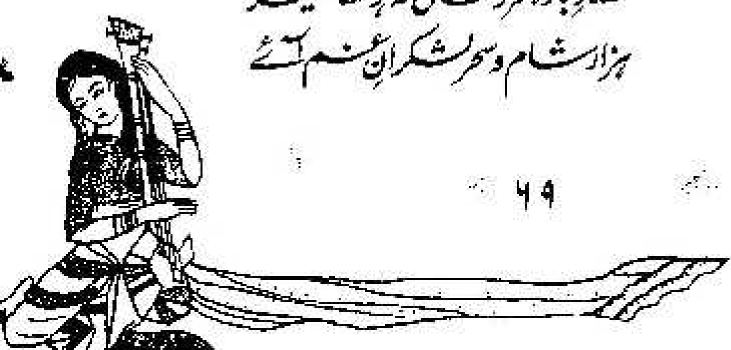
ہماری طرح کے دُنیا میں لوگ کم آئے
کوئی حریفِ گل و مُل نہ تھا تو ہم آئے

مزا تو جب ہے کہ خالی رہے نہ خلوتِ شب
غزالِ دیر اُٹھے آہوئے حرم آئے

ہر ایک شے میں مناسب نہیں جزا کا خیال
سبو اُٹھا کہ جزا کا خیال کم آئے

ہوا کے رُخ پہ جو کھولے کوئی قبائے بتاں
مہک گلاب کی تا خانۂ حرم آئے

حصارِ بادہ فروشاں نہ ہو سکا تسخیر
ہزار شام و سحر لشکرانِ غم آئے



اُٹھو جو محفلِ مے سے تو اے شیخ خوار و
بہار ساتھ تمہارے قدم قدم آئے

نہ رکھ سکا تمہیں آہو بچوں سے باز کبھی
یہ انتظار کہ ان کو شعورِ رم آئے

عروسِ گل کو بُلا اے نسیمِ زمزمہ سنج
نشستِ صبح کو یارانِ صبح دم آئے

بلا تھی دستِ رسا کیلئے مسافتِ زلف
ہزار اس میں طلسمات خم بہ خم آئے

ستم کا زہرہ وشانِ حرم کو شوق تو ہے
خدا کرے انھیں پیرایۂ ستم آئے

ظفر کہو کہ بہ الطافِ یارِ غنچہ فروش
سبو سے غنچۂ لب میں دوائے غم آئے

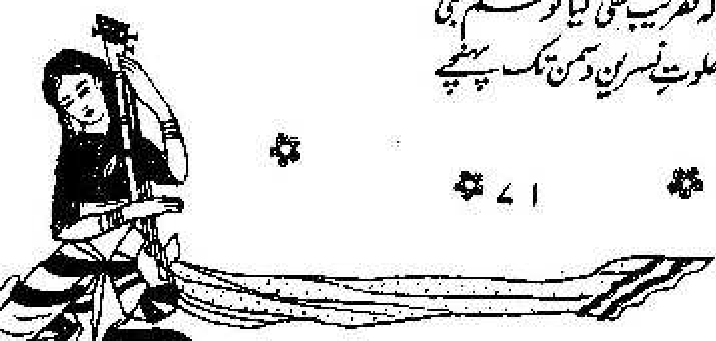
دَرِ میخانہ سے دیوارِ چمن تک پہنچے
ہم غزالوں کے تعاقب میں ختن تک پہنچے

یُوں سرِ راہ بھرے بیٹھے ہیں میکش کہ بہار
اب کے آئے تو سلامت نہ چمن تک پہنچے

ہاتھ میخوار کے بے قصد اُٹھے تھے لیکن
اتفاقاً ترے گیسو کی شکن تک پہنچے

حرم و دَیر میں اُس زلف کا موضوع کہاں
لوگ پہنچے تو روایاتِ کہن تک پہنچے

یہ نہیں یاد کہ تقریب تھی کیا گو ہم بھی
رات اک خلوتِ نسرین و سمن تک پہنچے



جس میں تابِ وتبِ منصور نہ ہو عشق نہیں
اک حرارت ہے بدن سے جو بدن تک پہنچے

راستہ ایک تھا ہم عشق کے دیوانوں کا
قدِ گیسو سے چلے دار و رسن تک پہنچے

اس طرح ہاتھ ہے اس زلف پہ جیسے تحقیق
ناگہاں تجزیۂ روح و بدن تک پہنچے

طول دوں معرکۂ شب کو تو میخانے سے
سلسلہ انجمنِ سرو و سمن تک پہنچے

ہم ہیں اور خلوتِ میخانہ ہے لیکن کبھی رات
آ گئی دل میں تو اک دشتِ چمن تک پہنچے

پڑ گئی پائے غزالانِ صبا میں زنجیر
صبح کو جب ترے بستر کی شکن تک پہنچے

ایک پیراہنِ خوش خط میں ہزاروں ہیں طلسم
کیا کوئی حسن کے اسرارِ کہن تک پہنچے

آپ ہی آپ جو کھل جائے تری زلفِ دراز
ناگہاں بے ہنری نقطۂ فن تک پہنچے

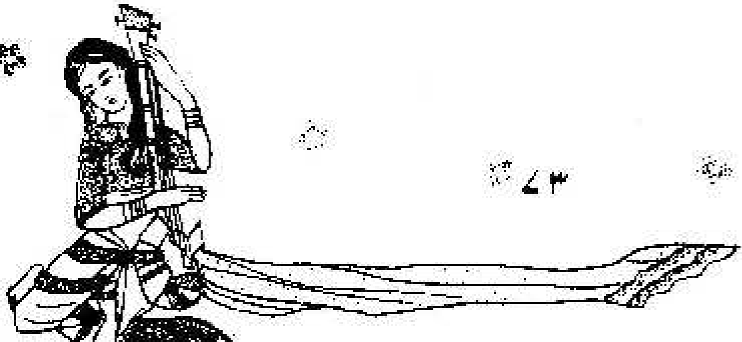
نہ چھلک جام سے اے دولتِ خود آگاہی
بات یہ پھر نہ کہیں دار و رسن تک پہنچے

اے سخن فہم ہم اس بزم سے آئے ہیں جہاں
حیرتِ آئینے کی اسلوبِ سخن تک پہنچے

اس طرح شوقِ غزالاں میں غزل خواں ہو ظفر
شہرتِ مشکِ غزل شہرِ ختن تک پہنچے

کیوں چھوڑ کے درگاہِ مغاں جاتے ہو
ٹھکرا کے سب اسرارِ نہاں جاتے ہو

وہ رندِ جنوں میخانے سے اُٹھّوں جو کبھی
روتی ہے صراحی کہ کہاں جاتے ہو



کل رات اس طرح کوئی زلفِ دوتا کھلی
فہرستِ آرزو زدگاں جا بجا کھلی!

شب ہو گئی خنک جو اُٹھی وہ نقابِ رُخ
موسم بدل گیا جو وہ زلفِ دوتا کھلی

ڈالی خرابیِ دو جہاں پر جو اک نظر
کیا کیا نہ سازشِ نگہِ سُرمہ سا کھلی

بھرنے لگے زقند غزالانِ خورد و سال
آئی نظر جو حلقۂ رنداں میں جا کھلی

خالی نہ سر سے تھی کسی نوخیز کی نظر
دل کی گرہ جو آج کھلی بھی تو کیا کھلی

یہ سلسلہ تھا ایک ہی شاید کہ ناگہاں
چٹکے ہزار گل جو کسی کی قبا کھلی

آزردہ دل تھے زندگیِ سست رو سے ہم
آئے غزالِ شب تو طبیعت ذرا کھلی

ہر بات کا ہوا سرِ میخانہ فیصلہ
ہر شب یہاں عدالتِ پیکِ قضا کھلی

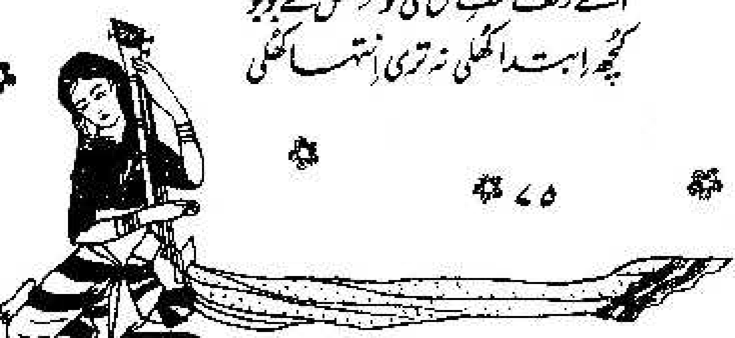
کیا کیا نہ بے خودی میں بر آئی مرادِ شوق
گیسو کھلے کسی کے کسی کی قبا کھلی

آئی تھی آج خلوتِ گل میں ترانہ سنج
دیکھا ہمیں تو پھر نہ زبانِ صبا کھلی

پوچھیں گے ایک آہوئے رم خوردہ کا پتہ
ہم سے کبھی جو گردشِ دوراں ذرا کھلی

میخوار ایک رات میں پہنچے سرِ ابد
خم کیا کھلا کہ راہ گزارِ الفت کھلی

اے زلف دستِ شوق کی کوشش کے باوجود
کچھ ابتدا کھلی نہ تری انتہا کھلی



خلوت میں تیری زلف کا عقدہ بھی کھل گیا
کھلتی نہ تھی جو بات بیاں برملا کھلی

تھا حُسنِ کائنات حسنِ یار کے بغیر
ہم آ گئے تو قسمتِ ارض و سما کھلی

دن بھر شعورِ خوابِ گراں میں تھا مبتلا
کھٹکے جو شب کو جام تو چشمِ ذکا کھلی

کیا صدق تھا ہماری نوا میں ظفر نہ پوچھ
حُسنِ غزل کھلا کہ بیاضِ صفا کھلی!

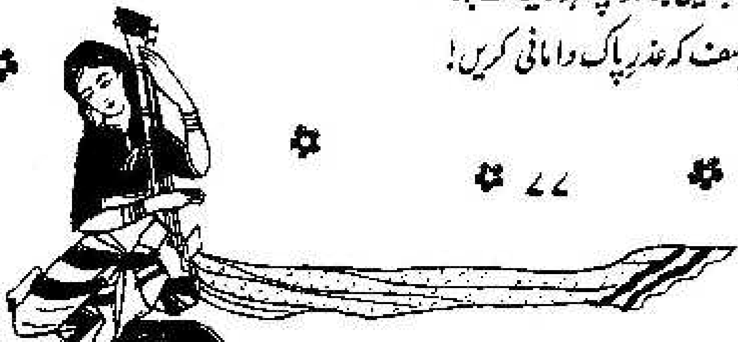
فرشِ گل بچھوائیں رنگ و بو کی ارزانی کریں
آؤ بلقیسانِ دوراں سے سلیمانی کریں

پھر پریشاں ہو کوئی زلفِ سخن تو اور ہم
رات بھر تحقیقِ اسبابِ پریشانی کریں!

واعظانِ شہر ہیں سب آدمیت کے مزار
لا صراحی ان مزاروں پہ گل افشانی کریں!

ہم سا رندِ با کرامت کیا کوئی ہو گا کہ ہم
دن کو درویشی کریں راتوں کو سلطانی کریں

خلوتِ شب میں جو در پے ہو زلیخائے بہار
ہم نہیں یوسف کہ عذرِ پاک دامانی کریں!



پھر بہار آئی اٹھو اے دخترانِ سبزہ رنگ
کنجِ ریحاں میں سبو لبریزِ ریحانی کریں

زاہدو ہٹ جاؤ رستے سے کہ ہم بادہ گسار
کوئی سامانِ نجاتِ نوعِ انسانی کریں

شرطِ اوّل کشف کی یہ ہے کہ پیرانِ حرم
دیدۂ دل حسنِ نوخیزاں سے نورانی کریں

کیا کہیں کیا ہے ہماری بُت پرستی کا جواز
کس طرح تشریحِ کیفیاتِ وجدانی کریں

دفترِ اسرار ہے بزمِ گل اندامانِ شہر
آؤ اس دفتر کی ہم اوراق گردانی کریں

دور میں ساغر ہے ذہنوں کے دریچے ہیں ظفر
آؤ آویزاں چراغِ لعلِ رمانی کریں !

سنبل کدۂ زلف کہ سرمایۂ کیف تھا
کیا کیا نہ مری دست درازی کا ہدف تھا

شب خلوتِ میخانہ میں ہر شاہدِ نوخیز
رخنہ زنِ اسباب تھا برہم زنِ صف تھا

جرأت نہ ہوئی گردشِ دوراں کو سرِ بزم
آتی جو مقابل تو میں پیمانہ بکف تھا

اِک زہرہ شمایل کو کیا ہم نے شرف یاب
کل رات کہ جب حوت میں زہرہ کا شرف تھا

پہنچی نہ کسی تک مری خلوت کی کوئی بات
گل تھا کہ سبو ہر کوئی پابندِ حلف تھا



کہتی تھی جو یارانِ شبانہ کی کہانی
رُوئے سخنِ بادہ کشاں میری طرف تھا

گو پردۂ اسرار میں تھا سب کا ہی مقصود
لیکن مری آوارہ نگاہی کا ہدف تھا

کیا جستِ غزالاں کا تھا کل رات کو انداز
بسمل تہِ پا زمزمۂ بربط و دف تھا

اب تک ہیں بہاریں مرے دامن میں کہ مجھ کو
نو خیزیٔ غنچہ فروشاں سے شغف تھا

اے آہوئے کعبہ نہ قیامت تھا ترا رقص
آتا تری ٹھوکر میں زمانہ تو تلف تھا

در پے جو رہے سنبل و ریحاں کے قدح خوار
شاید یہ کسی تیرے گیسو کی طرف تھا

ہر شب تھا گہر ساز و گہر ریز و گہر بار
ساغر مرا ساغر تھا کہ آغوشِ صدف تھا

کیا مجھ کو زمانے سے ظفرؔ کوئی سروکار
اس تنگ نظر کو مرا گوہر بھی خزف تھا

ابرِ رواں جو سُوئے چمن زار جائے گا
اُس زُلف تک خیالِ قدح خوار جائے گا

پوچھو نہ اُس کے بعد نشیب و فرازِ عشق
رستہ یہ تھوڑی دور تو ہموار جائے گا

میخانہ خود بھرے گا تعاقب میں اک زقند
اُٹھ کر جو وہ غزالِ طرحدار جائے گا

ہو جائیں گے حریف دبے پاؤں ساتھ ساتھ
پیکِ نسیم جب طرفِ یار جائے گا

میخانے کو چلا ہے تو منصور وار چل
یہ راستہ بھی تا رسن و دار جائے گا



آئے ہیں مہر و مہ در میخانہ کھول دو
یہ طائفہ بخدمتِ خمار جائے گا

کھینچیں ہیں ہزار رند حصارِ سبو و جام
خالی نہ اس نظر کا کوئی وار جائے گا

عادت کی ہے یہ بات ارادہ ہو یا نہ ہو
خود ہاتھ سوئے گیسوئے خمدار جائے گا

کھولا ہے شوق نے جو ظفر نافۂ غزل
یہ مشک تا بہ سرحدِ تاتار جائے گا

پھر آج رقصِ جام و سبُو تیز ہی سہی
یارو سمندِ عُمر کو مہمیز ہی سہی

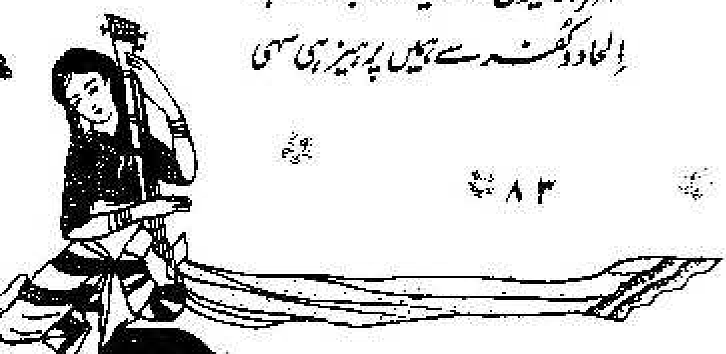
آؤ سبُو اُٹھا کے کلاہوں کو کج کریں
شب بھر کو ہم بھی قیصر و پرویز ہی سہی

مشکل ہے رازِ بندِ قبا کو سمجھ سکیں
اس سلسلے میں رِندِ عرق ریز ہی سہی

پھرتے ہیں ہوش پر خطِ تنسیخ کی طرح
اُس جسم کے خطوط دل آویز ہی سہی

شوقِ گل و سبُو میں قباحت کی کیا ہے بات
ہم اس معاملے میں ذرا تیز ہی سہی

کافر جوانیوں سے نیاز اور بات ہے
اِلحاد و کفر سے ہمیں پرہیز ہی سہی



اے جذبِ شوق اُن کی بلاخیزیاں نہ پوچھ
خوبانِ گلستاں ابھی نوخیز ہی سہی

رہ جائے کچھ تو کوششِ دستِ صبا کی بات
کھلنے سے تیری زُلف کو پرہیز ہی سہی

کچھ روندنے کو رِند کے قدموں میں ڈال دو
کچھ بھی نہ ہو تو سطوتِ پرویز ہی سہی

درپردہ اس میں زہر کی آمیزشیں بھی ہیں
یادِ شکر لباں شکر آمیز ہی سہی

یارو جہاں میں اہلِ کرامت تو اب کہاں
بیعت بدستِ شاہدِ نوخیز ہی سہی

سمجھیں اگر تمہارے ارادے تو بات ہے
زہرہ وشانِ شب کی نظر تیز ہی سہی

تالیف کے یہیں بھی ہیں نسخے ہزار ہا
اس شہر کے غزال کم آمیز ہی سہی

پہنچی نہ قندِ لب کو ظفر گو تری غزل
شاخِ نباتِ طفلس و تبریز ہی سہی!

کبھی جو پردہ کسی رُوئے دلستاں سے اُٹھے
بہار رقص کُناں بسترِ خزاں سے اُٹھے

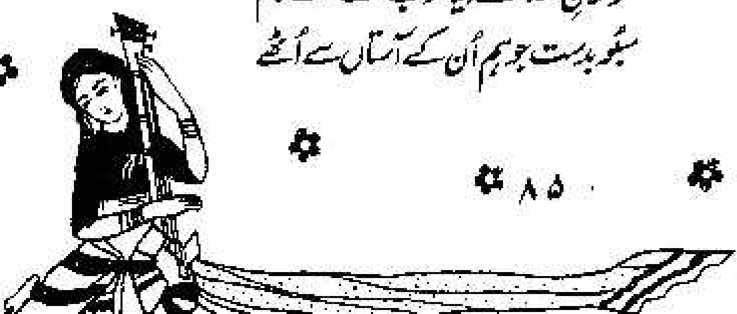
ہر ایک چیز جواں تھی جو آج صبح کو ہم
کنارِ شاہدِ نوخیز و نوجواں سے اُٹھے

ہوائے شوق میں ہم بے خودانِ حلقۂ مے
اُڑیں تو گردِ ستاروں کی آسماں سے اُٹھے

بڑا مزا ہو اگر عرضِ شوق کی تمہید
میری زباں کے بجائے تری زباں سے اُٹھے

وہ شوقِ سرو و سمن ہے کہ ٹرے سے نہیں
ہزار بار کیا ہم نہ گلستاں سے اُٹھے

موکلانِ قضا نے کیا ادب سے سلام
سبو بدست جو ہم اُن کے آستاں سے اُٹھے



نہیں ہے مسئلہ زندگی کا حل کوئی
شراب لا کہ بھجو کا حریم جاں سے اُٹھے

اِدھر غزالِ حرم ہیں اُدھر بتانِ کُنشت
ہے کشمکش میں قیامت کہ اب کہاں سے اُٹھے

نقیب ہے مری آمد کے لئے عروسِ سخن
وہ خوش کلام جو شیراز و اصفہاں سے اُٹھے

نہ پا سکا کوئی اب تک سُراغِ منزلِ دوست
ہزار خضر زمانے کے کارواں سے اُٹھے

ظفرؔ سے دُور نہیں ہے کہ یہ گدائے الست
زمیں پہ سوئے تو اورنگِ کہکشاں سے اُٹھے

سبو سوئے یارِ گل اندام کرنا
اسے بھی مشرف بہ اِسلام کرنا

سرِ شام پھر یاد آئی کسی کی
حوالے مرے بربط و جام کرنا

مری خلوتوں کے نہ اسرار پوچھو
مناسب نہیں ہے اِنھیں عام کرنا

عزیزو جو کرنا گناہِ محبت
بہ کیفیتِ وجد و الہام کرنا

نہ لاؤ ہمیں وجد میں اے بہارو
یہ کیا پارساؤں کو بدنام کرنا!



سحر لے گئی جن حریفانِ شب کو
تلاش اُن کو اے دورِ ایام کرنا

محبت کی دشواریاں ہم سے پوچھو
غزالوں کو آساں نہیں رام کرنا

ظفر ہم حریفانِ دیر و حرم ہیں
ہمارے ہر ارشاد کو عام کرنا

نفیِ غمِ دوراں پہ اَڑے رہتے ہیں
سبزے پہ سبُو بکف پڑے رہتے ہیں
کیا موسمِ گل ہم سے کرے قصدِ گریز
ہم وقت کے ناکے پہ کھڑے رہتے ہیں

جو سحر کو یاد آیا کوئی شاہدِ شبانہ
میں سبُو اُٹھا کے لپکا پسِ گردشِ زمانہ

سرِ بزمِ شوق کیا تھا مرا رقصِ والہانہ
جو رُکا تو ساتھ میرے رُکی گردشِ زمانہ

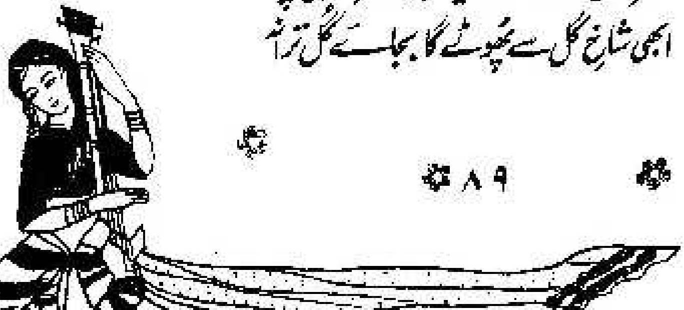
ترے تذکرے ہیں راتوں کو سرِ ہجومِ سنبل
تری زُلف سے تعارف ہے کسی کو غائبانہ

مجھے شاخِ گل نے روکا مجھے آب جُو نے ٹوکا
کبھی رُوٹھ کر بہاروں سے ہُوا جو میں روانہ

مجھے عرشِ دستِ ساقی سے پیام آ رہے ہیں
جو کتابِ بادہ اُترے تو اُٹھو پیمبرانہ

وہ اِدھر سے ہو کے گزرے تو خیال تھا کہ جیسے
سرِ راہ میں نے دیکھی ابھی گردشِ زمانہ

ظفرؔ اُس نے ساز اُٹھایا مری دعوتِ غزل پر
ابھی شاخِ گل سے پھوٹے گا بجائے گُل ترانہ



پیدا ہر ایک پیچ میں اک بات ہو گئی
کل شب وہ زلف حرفِ حکایات ہو گئی

وقفِ امورِ خیمہ رہی سرزمینِ دل
بُت خانہ اُٹھ گیا تو خرابات ہو گئی

پہنچے جو بے خودی کے مراتب کو حسن و عشق
دونوں میں رات بھر کو مساوات ہو گئی

اپنے محیطِ ذات میں گم ہو گئے جو ہم
اِک ذاتِ بے کراں سے ملاقات ہو گئی

کیا کیا نہ شب کسی کی نظر میں تھا جزر و مد
دُنیا ابھی تھی نفی کہ اثبات ہو گئی

میخانے سے چلی تھی کوئی بے خودی کی بات
آکر حرم میں کشف و کرامات ہو گئی

اُتری نہ تھی سبُو میں تو کچھ بھی نہ تھی شراب
اُتری سبُو میں معرفتِ ذات ہو گئی

آئی نہ عاشقی میں فراست بُروئے کار
بے کار دولتِ نظریات ہو گئی

دن بھر تو تھی قضا کے حوالے عنانِ وقت
شب کو سپردِ رندِ خوش اوقات ہو گئی

کُنجِ گل و سمن سے نہ اُٹھے قدح گسار
جب تک کسی سے طے نہ کوئی بات ہو گئی

آیا جو تذکرے میں جہنم کے میرا نام
حُوروں کو آرزوئے ملاقات ہو گئی!

خورشید کا ہیولیٰ مخفی تھا میرا جسم
جب طاق سے طلوع ہُوا رات ہو گئی

سودا کی ہو زمیں کہ دلّی کی زمیں ظفر
مَیں نے غزل کہی تو خرابات ہو گئی



میخانے سے چلی تھی کوئی بے خُودی کی بات
آکر حرم میں کشف و کرامات ہو گئی

اُتری نہ تھی سبو میں تو کچھ بھی نہ تھی شراب
اُتری سبو میں معرفتِ ذات ہو گئی

آئی نہ عاشقی میں فراست بروئے کار
بے کار دولتِ نظریات ہو گئی

دن بھر تو تھی قضا کے حوالے عنانِ وقت
شب کو سپردِ رندِ خوش اوقات ہو گئی

کنجِ گل و سمن سے نہ اُٹھے قدح گسار
جب تک کسی سے طے نہ کوئی بات ہو گئی

آیا جو تذکرے میں جہنم کے میرا نام
حوروں کو آرزوئے ملاقات ہو گئی!

خورشید کا ہیولیٰ ہی مخفی تھا میرا جسم
جب طاق سے طلوع ہُوا رات ہو گئی

سودا کی ہو زمیں کہ دلی کی زمیں ظفر
میں نے غزل کہی تو خرابات ہو گئی



پھر زلف سے پیچ نئے سحرِ بیانہ کھینچیے
تحریرِ شب پہ خطِ پیمانہ کھینچیے

دنیا ہے آج معرکۂ شب کو اور طول
شاہد کو زلف سے سحرِ بیانہ کھینچیے

گردش میں آسماں ہے مناسب ہے اپنے گرد
شب کو حصارِ شاہدِ پیمانہ کھینچیے

اُس زلف کی جو بات ہو تشریح کے لیے
دو رنج ہزار دفترِ افسانہ کھینچیے

کھلتا نہ ہو جو رازِ درونِ پردۂ حیات
پردہ ز روئے عذرا و ریحانہ کھینچیے

دل ہم نے یوں کیا ہے سپردِ سہی قداں
جس طرح وار پہ کوئی دیوانہ کھینچیے

پھر سے اُڑا جنوں طرفِ راہ نا تو اب
اب کیا عنانِ مرکبِ شاہانہ کھینچیے!

دل میں خیالِ نُور اٹھائے جو سر کبھی
اُس پر کمانِ ابروئے جانانہ کھینچیے

ملتی نہ ہو وظائفِ رندانہ کو جو اوٹ
آگے قناتِ سبزۂ بیگانہ کھینچیے!

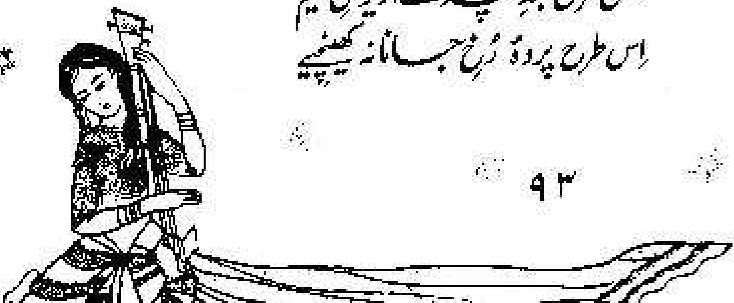
جی چاہتا ہے شب کو کسی شمع رُو کے ساتھ
تصویرِ بے قراریِ پروانہ کھینچیے

خوبانِ شہر ہیں شکرِ پختہ کی طرح
آغوش میں اگر انھیں رندانہ کھینچیے

آرامِ جاں ہے ذکرِ غزالاں اسی طرف
دامانِ ہر روایتِ افسانہ کھینچیے

یہ شہر بھی ہے سلطنتِ وحشت کے تئیں
دل تک نشانِ سرحدِ بت خانہ کھینچیے

جس طرح بندِ غنچہ سے آویزشِ نسیم
اس طرح پردۂ رُخِ جانانہ کھینچیے



یہ چیز بھی ہے درخورِ تحسین و تجزیہ
گوشے سے اس قبا کو حکیمانہ کھینچیے

ملتی نہ ہو عذابِ خبر سے اگر نجات
زنجیرِ قصرِ بانوئے میخانہ کھینچیے

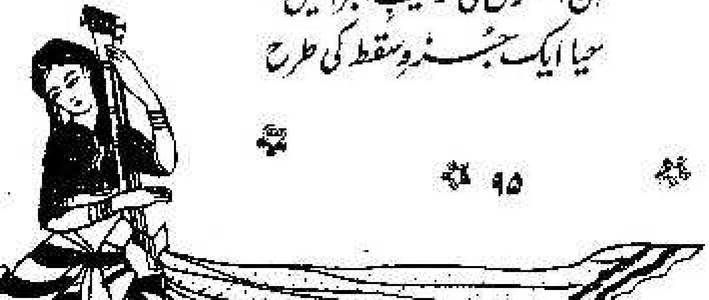
دنبالہ ہائے چشمِ غزالاں ہیں مقتضی
اک خطِ رقص تا درِ میخانہ کھینچیے

خاکِ حرم ملے جو ذرا سی تو اس سے آج
قشقہ بیادِ دخترِ ترسانہ کھینچیے

لازم ہے خیر مقدمِ خوبانِ راہ گزار
اک آہِ سرد ہی سے پئے نذرانہ کھینچیے

اس انجمن میں ہم سے بنے اور کیا ظفر
اس کے سوا کہ نعرۂ مستانہ کھینچیے!

سبُو پھر سے گردش میں ابجد کی طرح
دو عالم میں حرفِ مُغلّط کی طرح
مرتّب ہوا کُھل کے گیسوئے دوست
کسی مصرعِ بے مُنقّط کی طرح
ترے درنشینوں کی ٹھوکر میں ہے
جہاں ایک جنبش سقط کی طرح
کسی صفحۂ دلبری پہ پھر آج
نظر ثبت ہے دستخط کی طرح
ہمارے دلوں میں غزالانِ شہر
سمانے سے جب ا میں نُقطہ کی طرح
اُن آنکھوں کی ترکیبِ اجزا میں ہے
حیا ایک جُزوِ سقط کی طرح



بڑی چیز گو ہم ہیں لیکن نہیں
حریفانِ برخود غلط کی طرح

ہزاروں کرامات و اسرار ہیں
رواں جوئے بادہ میں بط کی طرح

کسی کے خطوطِ بدن پر ہے گند
نظر کا کٹ ناخوردہ قط کی طرح

زمانہ صحت اَ مانندِ بازارِ مصر
بکے ہم بھی جنسِ سقط کی طرح

ادب شرط ہے زو بُرو سے سبُو
نہ پی جرعۂ آبِ شط کی طرح

قدامت جو پہنچی خرابات تک
مٹی ایک حرفِ غلط کی طرح

جُدا گانہ ہیں دُختِ رانِ حرم
کوئی فاختہ کوئی بط کی طرح

ہر آئین پہ ہم نے تنسیخ کو
تری زلف کھینچی ہے خط کی طرح

یہ کیسا یاد آیا کہ عمرِ رواں
غزل خواں ہوئی آبِ شط کی طرح
جلی ہم سے ہے کلکِ نیرنگِ حُسن
نگاہیں ہماری ہیں قط کی طرح
غزل بھی ہماری جواں ہے ظفر
جوانانِ فیروزہ خط کی طرح

پھوٹا ہے شاخِ شوق میں برگِ زبانِ گل
پھر آج ہیں ہم اور صفِ دخترانِ گل
وہ متقی ہوں میں کہ مری سجدہ گاہِ شوق
خشتِ خمِ شراب ہے یا آستانِ گل



غمِ جہاں کو بلا ہو گیا ہے سب کے لیے
مرے سپرد کرو اس کو ایک شب کے لیے

نہ جاؤ حلقۂ زنداں سے مہ وشو کہ یہاں
سہولتیں ہیں جوانی کی تاب و تب کے لیے

قدح گسار کسی وضع کے نہیں پابند
ہزار حسنِ طلب شرط ہو طلب کے لیے

شراب خانہ ہو یا مدرسہ ہو دونوں میں
رسوم ایک ہیں اسرارِ نیم شب کے لیے

حریمِ راز جہاں کوئی باریاب نہیں
کھلا ہوا ہے حریفانِ بے ادب کے لیے

دراز دست ہی پہنچے یہاں مرادوں کو
نہیں ہے دولتِ زلفِ دراز سب کے لیے

شگفتِ گُل کو تو ہے بوسۂ نسیمِ سحر
کچھ اہتمام کرو اس شگفتِ لب کے لیے

غزالِ راہ نمائی کریں کہ پیکِ بہار
بھٹک رہا ہے مِری خلوتِ طرب کے لیے

کمندِ زُلفِ سمن بُو ثبوت ہے کہ یہاں
سزا کچھ اور مقرّر ہے بے ادب کے لیے

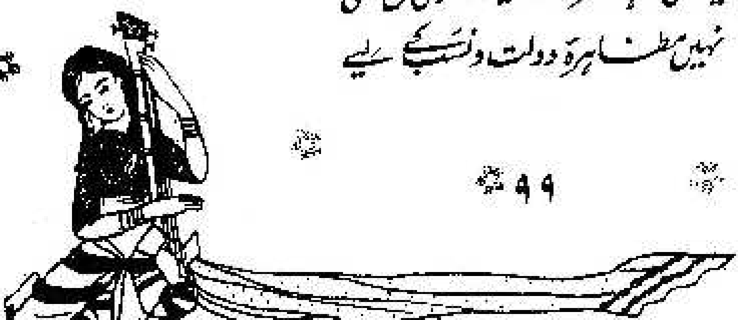
کہاں ہیں قند فروشانِ بزمِ نوخیزاں
شکر چشیدہ ہُوں مرتا ہُوں قندِ لب کے لیے

دو چند اس سے ہے لطفِ مسافتِ خمِ زُلف
سبُو کہ زادِ سفر ہے رہِ طلب کے لیے

ہم اور سعادتِ عشقِ پری وشاں سے گریز
کوئی جواز بھی ہو زُہدِ بے سبب کے لیے

چلے سبُو تو مناسب ہے چشمِ شاہدِ شب
رہے نگاہ میں تخمینۂ طرب کے لیے

یگانگی ہے ظفر ورنہ میری کج کلہی
نہیں ہے طنطنۂ دولت و نسب کے لیے



شاید رُخِ حیات سے سَرکے نقاب اور
بھر دو مرے سبو میں شراب و گلاب اور

ہوگی مرے سبو سے نمودِ ہزار صبح
اُبھریں گے اس اُفق سے ابھی آفتاب اور

اے دخترانِ قند فروش و گلاب ریز
میرے لیے یہ نسخۂ قند و گلاب اور

آتی ہے کوئے دار و رسن سے صلا ہنوز
آئے ادھر جو ہے کوئی خانہ خراب اور

رمزِ شرارِ طُور سے میں مطمئن نہیں
میرے سوالِ شوق کا کوئی جواب اور

جو پیرِ مدرسہ کے نہ آئے فریب میں
اس کی طرح نہیں کوئی عصمت مآب اور

اُس چشمِ مے فروش کا راتوں کو کر کے ذکر
آؤ اُڑائیں دیدۂ یاراں سے خواب اور

کیا گردشِ زمانہ کو لائیں نظر میں ہم
کچھ ہے ابھی سبُو میں ہمارے شراب اور

رشتہ بپا ہر اک سرِ مے خانہ آئے گا
پھینکے ابھی بہار کمندِ سحاب اور

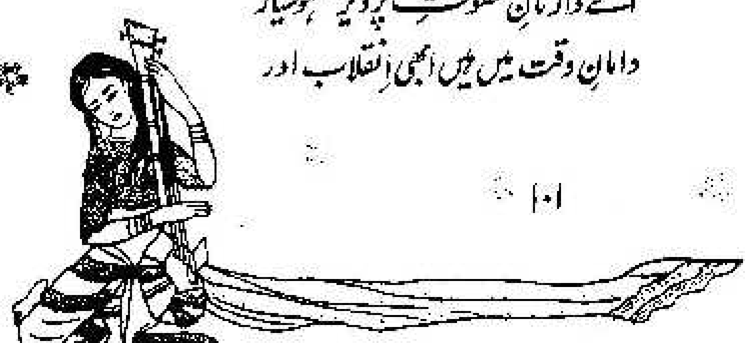
آساں نہیں تلاشِ حریمِ جمالِ دوست
کچھ دن جلاؤ شمعِ مہ و آفتاب اور

مخمورِ بوئے زلف نہ آئیں گے ہوش میں
چھڑکے ابھی نسیمِ بہاراں گلاب اور

کون و مکاں کی خیر اُٹھی پھر تری نظر
اس ظرف میں سما نہ سکے گی شراب اور

دلکش سہی ترانۂ تسبیحِ نیم شب
لیکن ہے بانگِ چنگ و نوائے رباب اور

اے وارثانِ سطوتِ پرویز، ہوشیار
دامانِ وقت میں ہیں ابھی انقلاب اور



بخشش کی اے ندیم ابھی سے دعا نہ مانگ
لاکھوں پڑے ہیں کام ابھی ناصواب اور

جاگی نہیں ہے قسمتِ ارض و سما ابھی
ہاں اور شورِ نالہ چنگ و رباب اور

بہکا کے لے اُڑیں گے کسی رات زہد کو
ٹھہرے یہاں جو خیمہ زنانِ سحاب اور

آئی ظفرؔ جو رات زباں پر حدیثِ دوست
ناگاہ بڑھ گئی مرے جوہر کی آب اور

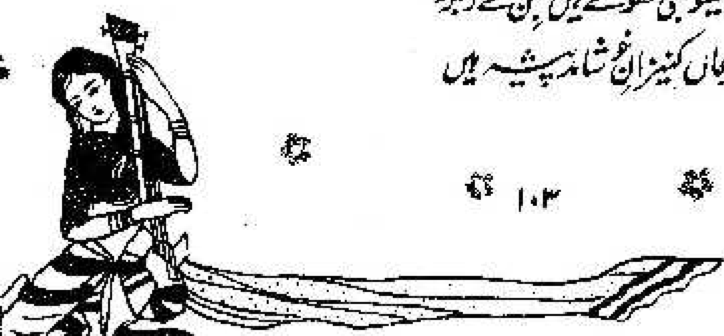
ہم دلِ زہرہ وشاں میں خالقِ اندیشہ ہیں
گو خراباتی سہی جبریل کے ہم پیشہ ہیں

پیرویِ واعظانِ شہر میں بُزدل ہیں ہم
اور غزالوں کا تعاقب ہو تو شیرِ بیشہ ہیں

جانیے کیا کیا مدارج اور ابھی کرنے ہیں طے
ہم ابھی ذہنِ خداوندی میں اِک اندیشہ ہیں

خشت و سنگِ ناتراشیدہ سے اُبھرا تختِ حُسن
میگساروں کی نگاہیں ہیں کہ ضربِ تیشہ ہیں

ہم نے وہ گیسو بھی کھولے ہیں کہ جن کے رُوبرُو
سنبل و ریحاں کنیزانِ خوشامد پیشہ ہیں



زاہد کو ہم بے خودانِ حلقۂ یارانِ شب
ہم قائل ہیں سرایت کردۂ ہر ریشہ ہیں

کفر کی کچھ کچھ غزالانِ حرم میں بھی ہے خو
یہ کسی بے باک بت گر کی تراشِ تیشہ ہیں

آ ہمارے سامنے بیٹھے غزالِ رہ گزر
جو وہیں ہم لوگ نخلِ سایہ دارِ بیشہ ہیں

اے قبائے تنگِ خوباں کھول دے اسرارِ حق
ہم سے کیا پردہ کہ ہم آگاہِ ریشہ ریشہ ہیں

ہم نہیں ہیں کوہکن لیکن ہماری یادگار
وقت کے کوہِ گراں پر کچھ نقوشِ تیشہ ہیں

شرحِ اسرارِ دو عالم ہے ظفر اپنا بیاں
ہم پسِ آئینہ کُل طوطیِ اندیشہ ہیں!

دن کو بحر و بر کا سینہ چیر کر رکھ دیجیے
رات کو پھر پلٹے گُل رویاں پہ سر رکھ دیجیے

مفلسی موسم کی جائے گی نہ بے نقدِ شراب
جام چھلکا کر کفِ ہر گُل میں زر رکھ دیجیے

دیکھیے پھر کیا دمکتے ہیں گُل اندامانِ شہر
اک ذرا ان میں محبت کا شرر رکھ دیجیے

گرمیِ آغوش سے بھر دیجیے عزمِ جواں
پھر ہمالہ کو ہمارے دوش پر رکھ دیجیے

جام اُٹھا کر کیجیے رقصِ ابرِ نیساں کی طرح
جو صدف آئے نظر اس میں گُہر رکھ دیجیے

کیجیے اُن کا تعاقب جھونکے گُل کے ساتھ ساتھ
دوشِ بادِ صبح پر رختِ سفر رکھ دیجیے

آہوانِ شب گریزاں ہوں تو اُن کی راہ میں
دامِ دل رکھ دیجیے دامِ نظر رکھ دیجیے



بُت پرستی کیجیے اِس شدّتِ احساس سے
سنگ میں بھی جُزوِ احساس و خبر رکھ دیجیے

کھینچ کر اک شاہدِ خورشید طلعت کی ردا
شام ہی سے طاقِ مشرق میں سحر رکھ دیجیے

دہر اگر جنگ آزما ہو کھینچیے شمشیرِ شوق
حُسن اگر مدِّ مقابل ہو سپر رکھ دیجیے

بُت بھی دِلکش ہو کبھی تو لیجیے پھول اخلاص کے
کچھ اِدھر رکھ دیجیے اور کچھ اُدھر رکھ دیجیے

گردشِ جام انقلابی شے نہیں تو کچھ نہیں
اس میں جُزوِ گردشِ شام و سحر رکھ دیجیے

دہر اُن نیچی نگاہوں سے نہیں لذت شناس
اس کے سینے میں بھی سوفارِ نظر رکھ دیجیے

ہاتھ آ جائیں اگر اس زُلفِ نسریں بو کے پیچ
برملا سِرِّ دو عالم کھول کر رکھ دیجیے

راحتِ جانِ ظفرؔ ہیں شاہدانِ بے ہنر
روندنے کو اِن کے قدموں میں ہُنر رکھ دیجیے

احساں ہے ایک شاہدِ خوش اختلاط کا
ورنہ یہ زندگی تو سفر تھی صراط کا

کل رات ٹوٹ ٹوٹ گئے اس قبا کے بند
کس کو تھا بے خودی میں خیال احتیاط کا

یارو مرے سبُو سے ہوئی ہے نمودِ صبح
اُٹھو عروسِ گل سے ہے وقت اختلاط کا

اُس نو بہارِ ناز کی خوش قامتی نہ پوچھ
قدِ کشیدہ تھا کہ الف انبساط کا

اے آہوانِ سادہ مزاج و خوش اعتماد
اخلاص سے کشاں ہے محمل احتیاط کا



ارژنگ تابِ خطِ سینہ و رخسار کی قسم
قائل نہیں ہُوں عام خطوط و نقاط کا

مے خانے میں نہیں ہے زماں کا کوئی وجُود
کُھلتا ہے در ابد کی طرف اُس رباط کا

چُھو لے سے کیا کُھلی ہے کسی کی قبائے تنگ
اِک باب کُھل گیا ہے سُرور و نشاط کا

یک جا تھے کل عروسِ شراب و غزالِ شہر
دونوں سے اتّفاق ہُوا اختلاط کا

برہم نہ بازیِ شبِ میخانہ ہو سکی
اُٹھا ہزار صبح نے گوشہ بساط کا

کیا دل کُشا تھی سیر پری چہرگانِ شب
عالم تھا ہر قدم پہ نیا انبساط کا

ہر قوس اُس بدن کی ہے قوس النّہارِ شوق
ہر زاویہ ہے میری نظر میں نشاط کا

کیا سحرِ دلبرانہ ہے تیری غزل ظفرؔ!
باندھا ہے کیا طلسم سُرور و نشاط کا

رات اُس قبا میں ہاتھ کچھ ایسے بھٹک گئے
غنچے ہزار شاخِ ہوس میں چٹک گئے

آیا نظر جہاں کوئی جھٹکا ہُوا غزال
ہم بھی بڑے خلوصِ دلی سے بھٹک گئے

مے خانے کی طرف جو چلے ہم قدح گسار
بارِ الم کو راہ گزر میں پٹک گئے

پُوچھو نہ بات حُسنِ سراپا بہار کی
بندِ قبا کُھلا کہ شگوفے چٹک گئے

از بر نہ ہو سکا اُنھیں درسِ رموزِ عشق
ہجّے پہ ہم اصطلاحِ وفا کے اٹک گئے



کھلتا ہے بے شراب کہاں رازِ زندگی
لاکھوں ہی فیلسوف یہاں سر پٹک گئے

کیا کیا تھا قصدِ پیرہنِ گل کر نا کُھلا
جھونکے صبا کے ہاتھ ہمارا جھٹک گئے

سایہ پڑا ہمارے سبو کا تو بزم میں
سو سو گلاب ٹوٹے بتاں پر چٹک گئے

حاصل ہوا جو شعرِ ظفر کو قبولِ عام
منہ واعظانِ تنگ نظر کے لٹک گئے

ہم سرِ مے خانہ جو فرما گئے
ہر صحیفے میں وہ الفاظ آ گئے

کس تکلف سے بچھائے اُس نے دام
کس مزے سے ہم بھی دھوکا کھا گئے

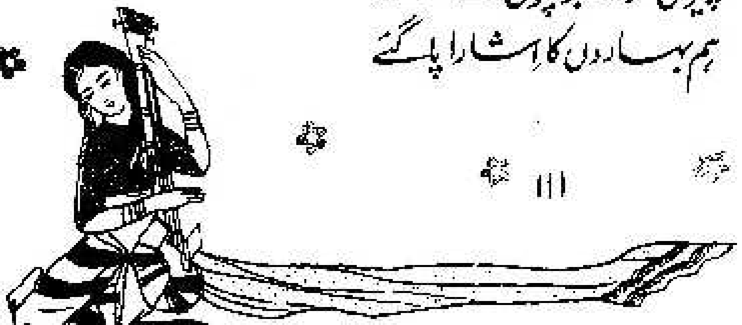
کشمکش تھی خیر و شر میں اور ہم
جام اُٹھا کر فیصلہ فرما گئے

ہم کسی سے راہ پر آئیں گے کیا
خود ہمیں دیر و حرم بہکا گئے

اُن کے گیسو سلسلہ در سلسلہ
کھل کے ساری زندگی پر چھا گئے

اے زمانے پھر کوئی کروٹ کہ ہم
ایک ہی رفتار سے اُکتا گئے

پیرہن کھولے جو غنچوں نے ظفر
ہم بہاروں کا اشارا پا گئے



اصلاحِ اہلِ ہوش کا یارا نہیں ہمیں
اس قوم پر خدا نے اُتارا نہیں ہمیں

ہم مے گسار بھی تھے سراپا سخا وجود
لیکن کبھی کسی نے پکارا نہیں ہمیں

دل کے معاملات میں کیا دُوسروں کو دخل
تائیدِ ایزدی بھی گوارا نہیں ہمیں

رندِ قدح گسار بھی ہیں بت پرست بھی
قدرت نے کس ہنر سے سنوارا نہیں ہمیں

دردِ فراق منظلمہ مستقل سہی
عرضِ وصال بھی تو گوارا نہیں ہمیں

اِک وُہ کہ سو نمود و نمائش کے اہتمام
اِک ہم کہ احتیاجِ نظارا نہیں ہمیں

ڈھونڈیں کہاں سحر کو تمہیں اے غزالِ شب
اب نام بھی تو یاد تمہارا نہیں ہمیں

آزادہ رَو ہیں مسندِ عرشِ بریں سے ہم
اُترے ہیں خود کسی نے اُتارا نہیں ہمیں

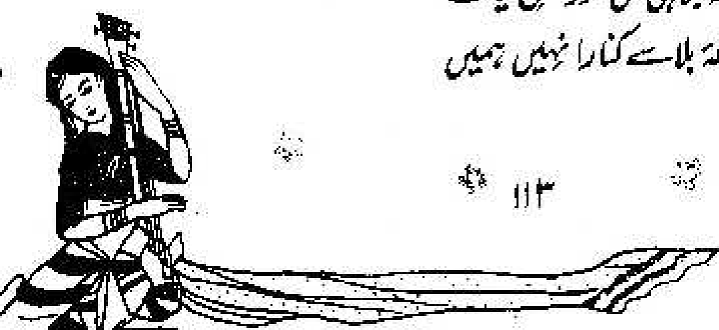
گُم صُم ہے کس خیال میں اے رُوحِ کائنات
اب تُو نے مدتوں سے پکارا نہیں ہمیں!

اتنا تو حوصلہ تھا کہ کھینچیں ردائے دوست
اب ہاتھ کھینچتے ہیں تو یارا نہیں ہمیں

اب کیا سنور سکیں گے ہم آوارگانِ عشق
صدیوں کے جبر نے تو سنوارا نہیں ہمیں

ہاتھوں میں ہے ہمارے گریبانِ کائنات
لیکن ابھی جنوں کا اشارا نہیں ہمیں

اک ورطۂ بلا ہی سہی شورشِ حیات
اس ورطۂ بلا سے کنارا نہیں ہمیں



خوبانِ شہر آؤ کہ دنیا سے کچھ لگاؤ
بے شاہدانِ انجمن آرا نہیں ہمیں
آغوشِ گل بہار سے لیکے کائنات ہے
ارمانِ اصفہان و بخارا نہیں ہمیں
کھینچی اگر تو ہوش میں کھنچتے گئے زلفِ دوست
منظور بے خودی کا سہارا نہیں ہمیں
ڈھونڈو کوئی نئی روشِ شاعری ظفر
اسلوبِ دوسروں کا گوارا نہیں ہمیں

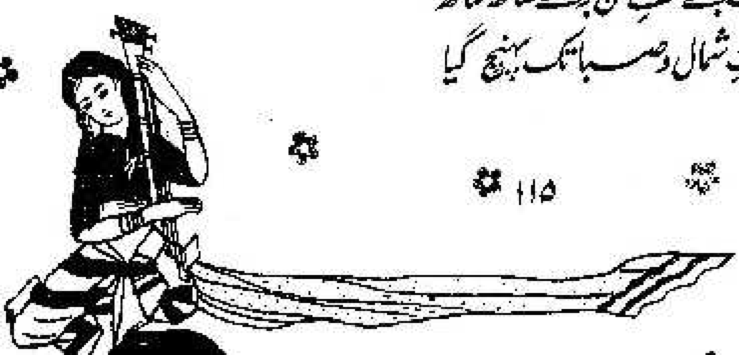
ساغر اُٹھا کے حدِ یعتا تک پہنچ گیا
میں راہِ بے خُودی سے خُدا تک پہنچ گیا

بیگانہ تھا معارفِ پنہاں سے دستِ شوق
صد شکر تیرے بندِ قبا تک پہنچ گیا

رِندو اُٹھو کہ سلسلۂ ابرِ نو بہار
خُوبانِ شب کی زُلفِ دوتا تک پہنچ گیا

شب میں جو کھو گیا کسی بزمِ سرود میں
نغمے سے رُوحِ نغمہ سرا تک پہنچ گیا

کل رات تیرے زُلفِ سمن بُو کے ساتھ ساتھ
مَیں خلوتِ شمال و صبا تک پہنچ گیا



لائے زباں پہ جو سخنِ ملحدانہ ہم
وہ مرتبے میں حمد و ثنا تک پہنچ گیا

اب کیا کہوں طلسمِ سلیماں تھی یا شراب
میں اک سبو میں شہرِ سبا تک پہنچ گیا

صادر کیا تھا ہم نے خرابات میں جو حکم
آخر متوکلانِ قضا تک پہنچ گیا

میرا مشاہدہ ہے کہ جب کاروبارِ زہد
حد سے بڑھا، فریب و ریا تک پہنچ گیا

کل شب تھا ذکرِ عشقِ بتاں اور فقیہِ شہر
کچھ بھی سزا و جزا تک پہنچ گیا

کھینچا سکوتِ خلوتِ گل نے کبھی جو طول
بے ساختہ سرود و غنا تک پہنچ گیا

کل رات ناگہاں اثرِ تازگیِ حسن
اس پیرہن سے آب و ہوا تک پہنچ گیا

شہرت مری غزل کی زمانے میں ہے ظفر
یہ مشکِ خاص دستِ صبا تک پہنچ گیا

ساغر اُٹھا کے زُہد کو رد ہم نے کر دیا
پھر زندگی کے جزر کو مد ہم نے کر دیا

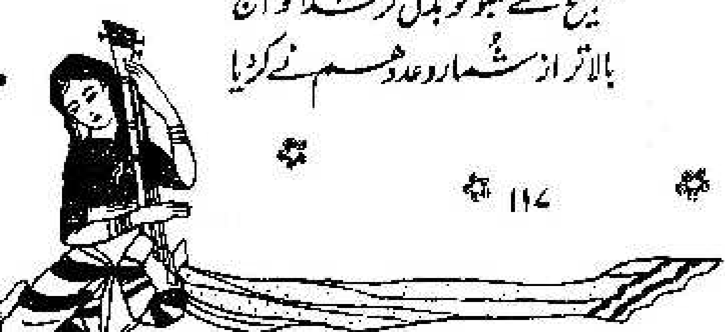
وقت اپنا زر خرید تھا ہنگامِ مے کشی
لمحے کو طُول دے کے ابد ہم نے کر دیا

مے خانے سے چلی جو کبھی روٹھ کر بہت
آگے سبُو کو صورتِ سد ہم نے کر دیا

دل پندِ واعظاں سے ہُوا ہے اثر پذیر
اس کو خرابِ صحبتِ بد ہم نے کر دیا

دیکھا جو شب کو زاویۂ سینۂ بُتاں
اشکالِ ہندسہ کو بھی رد ہم نے کر دیا

تسبیح سے سبُو کو بدل کر خدا کو آج
بالا تر از شمار و عدد ہم نے کر دیا



رندی کا وہ کسی میں سلیقہ کہاں ہے اب
ضائع یہ ترکۂ ادب جو ہم نے کر دیا

بادہ تھا یا غرورِ فراست تھی جام میں
جو کہہ دیا بہک کے سند ہم نے کر دیا

زاہد کو خانقاہ میں ملتی کہاں شراب
لیکن کچھ اہتمام رسد ہم نے کر دیا

تسخیرِ شاہدانِ گل اندام کے لیئے
ہر شب کو نذرِ کاوش و کد ہم نے کر دیا

مصرعوں میں گیسوؤں کی فصاحت کا بھر کے رنگ
اپنی ہر اک غزل کو سند ہم نے کر دیا

تشبیہہ دے کے قامتِ جاناں کو سرو سے
اونچا ہر ایک سرو کا قد ہم نے کر دیا

پہنچے کسی کے عشق میں ماہ و نجوم تک
حدِ سما کو شوق کی حد ہم نے کر دیا

پھر اُس عقیقِ لب پہ سبو رکھ دیا ظفر!
پھر شمس کو سپردِ اسد ہم نے کر دیا

سحر کو رقص میں لاتی جو آگہی مجھ کو
ترے قدم نظر آتی شہنشہی مجھ کو

بلائے جاں ہے سرورِ خود آگہی مجھ کو
سنبھال اے یدِ قدرت کی کوتہی مجھ کو

نقابِ رُخ اُٹھا کر جو دیکھتا ہوں کبھی
تو ذرّہ ذرّہ نظر آتی ہے الٰہی مجھ کو

مرے لیئے مری زندگی کا کرّ و فر ہے بہت
نہیں ضرورتِ سُلطانی و شہی مجھ کو

ابد کو رکھ دیا ساغر نے میرے قدموں پر
ہُوا جو عشرتِ احساس کوتہی مجھ کو



مرے لیے جو مناسب نہ مل سکا انعام
خدا نے بخش دیا گنجِ مختصر ہی مجھ کو

ہزار دام بچھاتے حرم نے میکدے لیے
ازل سے حکم تھا لیکن کچھ اور ہی مجھ کو

نہ پوچھ کس گلِ رعنا کی خوابگاہ کے راز
بتا گئی ہے نسیمِ سحر گہی مجھ کو

نشستِ شب ہے مری بزمِ خسرواں کی طرح
اذانِ دف ہے یہاں نوبتِ شہی مجھ کو

خلوص دیکھ کے میری قدح پرستی میں
سکھا دیے خضر نے آدابِ مختصر ہی مجھ کو

غزالِ شہر سے امیدِ لطفِ خاص تو ہے
امیدِ مغفرتِ حق نہیں سہی مجھ کو

نہیں ہوں سستیٔ رفتارِ زندگی کا شکار
بچا گئی ہے غزالوں کی ہم رہی مجھ کو

کہاں تھی رات کو لے گردشِ زمانہ بتا
قدح بدست تری جستجو رہی مجھ کو

ہر ایک قطرہ ہے میری نظر میں بحرِ شعور
ہر ایک ذرّہ ہے دُنیائے آگہی مجھ کو

پہنچ کے پردۂ اسرار تک میں لوٹ آیا
نہ تھی پسند ملائک کی ہمسری مجھ کو

مری طرح کوئی شاہد پرست کیا ہو گا
سب اس ہنر میں سمجھتے ہیں منتہی مجھ کو

مری غزل ہے لطافتِ عصرِ نو کا آئینہ
قدیم رنگ سے ہے بغضِ لِلّٰہی مجھ کو



ہم آہوانِ شب کا بھرم کھولتے رہے
میزانِ دلبری پہ انہیں تولتے رہے

عکسِ جمالِ یار بھی کیا تھا کہ دیر تک
آئینے قمریوں کی طرح بولتے رہے

کل شب ہمارے ہاتھ میں جب تک سبو رہا
اسرار کتمِ راز میں پر تولتے رہے

کیا کیا تھا حلِ مسئلۂ زندگی میں لطف
جیسے کسی کا بندِ قبا کھولتے رہے

ہر شب شبِ سیاہ تھی لیکن شراب سے
ہم اس میں نورِ صبحِ ازل گھولتے رہے

پوچھو نہ کچھ کہ ہم سے غزالانِ بزمِ شب
کس شہرِ دلبری کی زباں بولتے رہے

ہم متقی ہیں شہرِ خرابات رات بھر
تسبیحِ زلفِ ماہ وشاں رولتے رہے

کل رات مُلتفت تھے ادھر کچھ نئے غزال
ہم بھی نظر نظر میں اُنھیں تولتے رہے

تا صبح جبرئیل کو ازبر تھا حرف حرف
راتوں کو جو سرور میں ہم بولتے رہے

اتنی کہانیاں تھیں کسی زلف میں کہ ہم
ہر رات ایک دفترِ نو کھولتے رہے

کل رات میکشوں نے توازن جو کھو دیا
خطِ سبو پہ کون و مکاں ڈولتے رہے

پہلے تو خود کو عشق میں حل ہم نے کر دیا
پھر عشق کو شراب میں ہم گھولتے رہے

روکا ہزار بزم نے ہنگامِ مے کشی
ہم تھے کہ رازِ ارض و سما کھولتے رہے



کل شب تھا ذکرِ حُور بھی ذکرِ بتاں کے ساتھ
زُہد و صفا اِدھر سے اُدھر ڈولتے رہے

اپنا بھی وزن کر نہ سکے لوگ اور ہم
رُوحِ ورائے رُوح کو بھی تولتے رہے

سرمایۂ ادب تھی ہماری غزل ظفر
اشعارِ نغز تھے کہ گُہر رولتے رہے

جلالِ عشق میں ہے عظمتِ ہمایونی
کہو کہ کسبِ سعادت کرے تمہارے سے ہم

ہزار بار انھیں رُوشناسِ صبح کیا
شراب و شعر کی راتیں ہیں آشنا ہم سے

دشوار جو مقام تھا جبریل کے لیے
صرف ایک جست تھا مری تخئیل کے لیے

پھر ہے کسی کی زلف کو کھلنے کی آرزو
اجمال بے قرار ہے تفصیل کے لیے

خلوت کسی سے ہو تو دو عالم سے ہاتھ اٹھائیں
اس عالمِ حوالہ و تحویل کے لیے

اے راز جو ہے بندِ قبا حوصلہ ہے شرط
اس علمِ سربستہ کی تحصیل کے لیے

سینے میں بھر کے شوق کی لَو اے حریمِ دشت
لایا ہوں میں شرر تری قندیل کے لیے

آدم سی چاہتا ہوں کوئی لغزشِ عظیم
اپنے گناہِ شوق کی تکمیل کے لیے

پھر شرح دیکھیے مرے اجمالِ شوق کی
ہاتھ آئے اُن کی زلف جو تفصیل کے لیے



اُٹھے ہیں پھر غبارِ قدامت سے میگسار
اک عالمِ جدید کی تشکیل کے لیے

ہم تک براہِ راست بھی پہنچے ہیں کچھ پیام
ہر شے نہ تھی سماعتِ جبریل کے لیے

کل رات رشکِ نور تھی آغوشِ میکشاں
اک ماہِ نسیم ماہ کی تحویل کے لیے

اسمائے گل رُخاں میں بھی لے نابدانِ شب
گنجائشیں ہزار ہیں ترتیل کے لیے

ہر رات ڈھونڈتا ہوں کہ شاید کوئی چراغ
مل جائے میرے گوشۂ تخییل کے لیے

خوش آ گیا مزاجِ صبا و رندِ مے گسار
صرصر سے تھے مہر و ماہ کی قندیل کے لیے

رندِ قدح گسار کی ٹھوکر بھی کم نہیں
یہ بھی شرف ہے افسر و اکلیل کے لیے

کوئی غزل ظفرؔ کہ بڑا نیک ہے یہ وقت
ہر آیتِ جدید کی تنزیل کے لیے

میں نے کہا کہ حسلِ تمنّا سے جاں کرو
اُس نے کہا یہ بات سپردِ بتاں کرو

میں نے کہا بہارِ ابد کا کوئی سُراغ
اُس نے کہا تعاقبِ لالہ رُخاں کرو

میں نے کہا کہ یوسفِ دل ناخریدہ ہے
اُس نے کہا کہ نذرِ زلیخا وشاں کرو

میں نے کہا کہ فاصلۂ شوق ہے عظیم
اُس نے کہا شراب سے طیِ مکاں کرو

میں نے کہا کشاکشِ مشکل ہو کس طرح
اُس نے کہا وظیفۂ اسمِ بتاں کرو

میں نے کہا کہ صرفِ دلِ رائیگاں ہے کیا
اُس نے کہا کہ آرزوئے رائیگاں کرو

میں نے کہا کہ عشق میں بھی اب مزا نہیں
اُس نے کہا کہ از سرِ نَو امتحاں کرو



میں نے کہا کہ بابِ مشیت میں کیا ہے حکم
اُس نے کہا نہ اس میں چنیں و چناں کرو

میں نے کہا کہ اور کوئی پندِ خوشگوار
اُس نے کہا کہ خدمتِ پیرِ مغاں کرو

میں نے کہا کہ خیر بھی ہے رسم شر بھی رسم
اُس نے کہا کہ ترکِ رسومِ جہاں کرو

میں نے کہا کہ ہم سے زمانہ ہے سرگراں
اُس نے کہا کہ اور اسے سرگراں کرو

میں نے کہا کہ رُخ سے اُٹھاؤ نقابِ راز
اُس نے کہا کہ ہم سے نہ دل بدگماں کرو

میں نے کہا کہ زُھد سراسر فریب ہے
اُس نے کہا یہ بات یہاں کم بیاں کرو

میں نے کہا غزل نے بچھایا ہے خوانِ لُطف
اُس نے کہا کہ دعوتِ رُوحانیاں کرو

میں نے کہا کہ حدِ ادب میں نہیں ظفر
اُس نے کہا نہ بند کسی کی زباں کرو

نذرِ ستمِ یاراں جگر سوختہ ہُوا
لیکن نیکیوں میں صرف یہ اندوختہ ہُوا

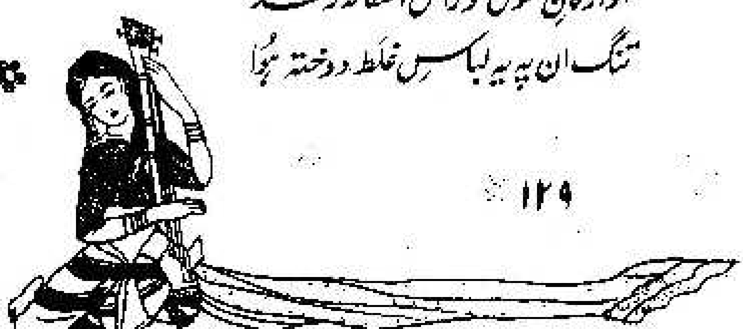
درپے ہم اُس قبا کے تھے کل شب نسیم وار
مشکل سے وا یہ غنچۂ سر دوختہ ہُوا

ہم رہزنانِ قافلۂ گل کی لوٹ میں
تقسیم سب بہار کا اندوختہ ہُوا

شب بھر رہے نظر میں خطوطِ قبائے دوست
ازبر ہمیں یہ صفحۂ آموختہ ہُوا

آئینۂ جمال میں کل رات ناگہاں
اپنا ہی شوق چہرہ برافروختہ ہُوا

آوارگانِ شوق کو راس آسکا نہ ڈھب
تنگ ان پہ یہ لباسِ غلط دوختہ ہُوا



کل شب کسی کا غنچۂ لب تھا کہ جوئے لطف
سیراب خطۂ جگرِ سوختہ ہوا

اے آہوانِ شہر کی کافر جوانیو
سب تم پہ ختم کفر کا اندوختہ ہوا

اس کے سوا کچھ اور نہیں رازِ کائنات
اک ذرّہ جمال برافروختہ ہوا

اے پیروِ قضا و قدر کے ستم ظریف
انساں بھی کم نہیں جو برافروختہ ہوا

رندی سے مختلف تھے سیاق و سباقِ زہد
مجھ کو ریا کا یاد نہ آموختہ ہوا

مدحِ بہار و تازگیِ حسن میں ظفر
کیا کیا نہ تر زباں قلم سوختہ ہوا

رات جب سلسلۂ شاہدِ مے خانہ اُٹھا
ہو گئی صبح وُہ افسانے سے افسانہ اُٹھا

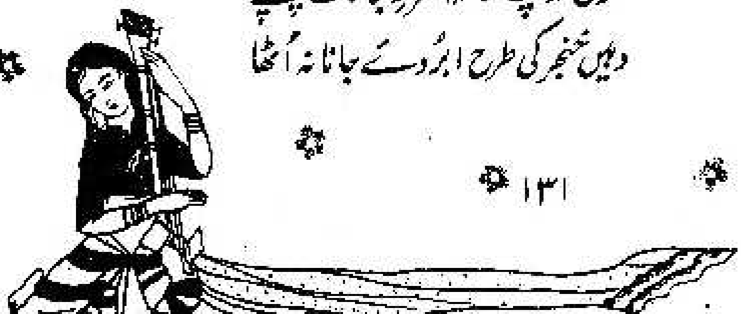
کھل گئی زُلفِ دوتا ہاتھ جو بیدانہ اُٹھا
ہم نے تمہید اُٹھائی تھی کہ افسانہ اُٹھا

شمعِ رُویانِ جہاں سے ہے ہمیں نسبتِ خاص
ہم ہیں اُس خاک سے جس خاک سے پروانہ اُٹھا

ایک ہی چیز کے دو رُخ ہیں جمال اور جلال
ایک ہی شے سے خمیرِ گل و پروانہ اُٹھا

ابھی درپئے اسرارِ قدح نوشاں سے
کوئی دیوارِ حجاب لے خطِ پیمانہ اُٹھا

شوق درپے تھا کہ اسرارِ قبا تک پہنچے
وہیں خنجر کی طرح ابروئے جانانہ اُٹھا



صحبتِ سبز رُخاں ہو تو کہیں شہر سے دُور
لُطفِ خوش بستریِ سبزۂ بیگانہ اُٹھا

شمع رُویوں میں قیامت تھا مرا عالمِ رقص
برق کی طرح گرا صُورتِ پروانہ اُٹھا

پیچ جب زُلف کے اسرار در اسرار کُھلے
ولولۂ رُوح میں افسانہ در افسانہ اُٹھا

عزمِ کل رات خُدائی کا کیے بیٹھے تھے
جُھک گیا سر جو سوالِ درِ جانانہ اُٹھا

ذہنِ عالم ہے اسیر اے مری آزادہ روی
اور کچھ دن ستمِ کعبہ و بت خانہ اُٹھا

اِک طرف گردشِ دوراں کو اشارہ سرِ عام
اِک طرف مُجھ کو ہے یہ حکم کہ پیمانہ اُٹھا

ہم سے بے راہ روی میں بھی طرحدار تھے ہم
ہر قدم راہِ خرابات میں شاہانہ اُٹھا

اے غزالانِ حرم آؤ ظفرؔ کو دیکھ آئیں
مسجدِ مے خانہ سے پھر اِک نیا دیوانہ اُٹھا

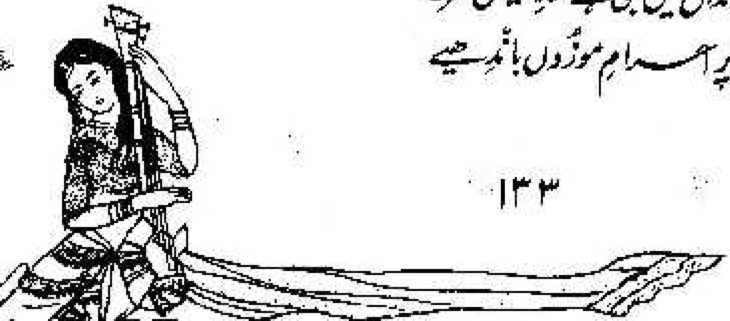
پھر ہوائے زلفِ شب گوں باندھیے
سحرِ بنگالہ کے مضموں باندھیے

پیچ و خم کو کیجیے منسوبِ کفر
برہمی کو سحر و افسوں باندھیے

آج تنہا ہیں عروسانِ بہار
نیّتِ لیلِ عذار و شبگوں باندھیے

پھر کسی لیلیٰ صفت سے عہدِ شوق
زیرِ شاخِ بیدِ مجنوں باندھیے

بزمِ زنداں میں بھی ہے تقدیس شرط
جسم پر احرامِ موزوں باندھیے



ہے تصوّر بر سرِ جامِ شراب
حلقۂ عالم سے بیروں باندھیے

آ گیا ہے دورِ درویشانِ عشق
رخصتِ جمشید و فریدوں باندھیے

خاک کے ذرّے بھی ہیں ماہ و نجوم
ٹکٹکی کیا سوئے گردوں باندھیے

اِتّباعِ مے سے ہے مرگِ دوستاں
جام کو اب چشمِ پُرخوں باندھیے

ہو اگر حاصل جہالت کا شرف
سر پہ دستارِ فلاطوں باندھیے

گنجِ عرفاں پر تصرّف منع ہو
اک طلسمِ گنجِ قاروں باندھیے

دیجیے لوگوں کو درسِ اوہام کا
خوشنما کاغذ میں افسوں باندھیے

کیا سنواریں گیسوئے تحقیقِ حق
اور کھل جاتے ہیں جوں جوں باندھیے

شعر میں اسمائے گل رُخاں کے بعد
اور اب کیا حرفِ موزوں باندھیے

قدر ہی کوئی زمانے میں نہیں
کیا طلسمِ حرف و مضموں باندھیے

زورِ طبیعت کی نہیں رُکتی ظفر!
کس طرح اب بندِ جیحوں باندھیے

اے زہد فروشوں کے لیے مصدرِ انعام
کچھ رند کے بارے میں بھی ارشاد کیا جائے

یارو کوئی ایسا غلط اقدام کہ جس سے
آئندہ زمانوں میں ہمیں یاد کیا جائے



اسرارِ زندگی سے جو پردہ اٹھائیں ہم
اپنے سوا کسی کو نہ موجود پائیں ہم

ہم بزمِ رنگ و بو کے حریفانِ خاص ہیں
پھولو بچھاؤ فرش کہ تشریف لائیں ہم

اس شہر میں ہزار سہی رہزنانِ دل
ہم بھی وہ ہیں کہ ہاتھ کسی کے نہ آئیں ہم

پردہ کسی کے رخ سے اٹھانے کو ہے نسیم
اور ہم یہاں بضد ہیں کہ پہلے اٹھائیں ہم

کنجِ حرم میں مجھ سے بتاں سے بچی ہوئی
ہٹ جاؤ زاہدو کہ یہاں سر جھکائیں ہم

بے رہ روی ہے عام تمنا ہے رات بھر
نُورِ قدح سے شمعِ ہدایت جلائیں ہم

کچھ لوگ ہیں ہماری کرامت سے منحرف
لاؤ شراب اِن کو کرامت دکھائیں ہم

جاگے ہمارے ساتھ جو شب بھر کوئی غزال
رُوحِ غزل کو خوابِ گراں سے جگائیں ہم

پروانۂ غزل کوئی لکھ بھیجے ظفرؔ
جبریل منتظر ہے اُسے کب بلائیں ہم



مے خوار حلِّ راز کی تدبیر کر گئے
عالم کو رقصِ جام سے تعبیر کر گئے

وا ہو کے بے خودی میں کسی کی قبا کے بند
اسرارِ کائنات کی تفسیر کر گئے

منزل سے آگہی کی جو گزرے قدح گسار
پُرزے نقابِ چہرۂ تقدیر کر گئے

بُنیادِ زُہد اُٹھا کے خُداوندگانِ زُہد
اک قصر تھا کہ ریت پہ تعمیر کر گئے

خلوت میں اس نہج سے کھلے حلقہ ہائے زلف
وحشت کو بے سلاسل و زنجیر کر گئے

سرزد جو عرشیوں سے ہوا کاتبانِ راز
ہم مے کشوں کی فرد میں تحریر کر گئے

وہ تجربے جو شب کو ہوئے مہ وشوں کے ساتھ
مجھ بے ہنر کو صاحبِ تدبیر کر گئے

شیخِ حرم کہاں ہے کہ اس شہر کے غزال
کفرِ نگاہ سے مری تکفیر کر گئے

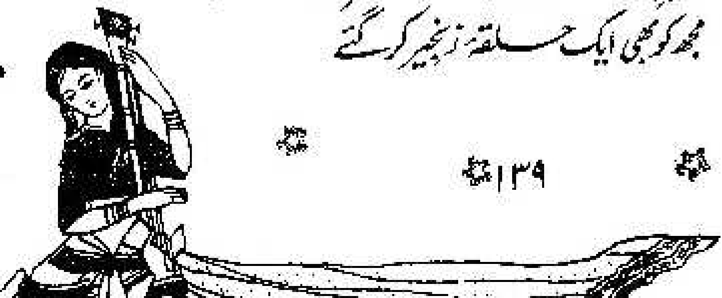
جس شے کا حوصلہ نہ ہوا اہلِ زہد کو
میرے لیے بھی لائقِ تعزیر کر گئے

گفتارِ مہ وشاں تھی کہ جیسے سحر چمن
جھونکے نسیمِ صبح کے تقریر کر گئے

دنیا عذاب سخت تھی لیکن اٹھا کے جام
یارانِ شب نجات کی تدبیر کر گئے

حیرت کے سلسلے سرِ آئینۂ جمال
مجھ کو سپردِ عالمِ تصویر کر گئے

زنجیرِ ارتقا میں مرے ولولے ظفر
مجھ کو بھی ایک حلقۂ زنجیر کر گئے



دمِ شوق ضبط ہو بس کس طرح
سبُو سامنے ہو تو بس کس طرح

تعاقب میں مے خوار ہیں اے بہار
بچے گی تو اب کے برس کس طرح

کوئی قافلہ آرزو کا نہ ہو
نفس میں یہ شورِ جرس کس طرح

تری زلف کو چھو کے حیران ہوں میں
یہاں تک ہوئی دسترس کس طرح

سماتے ہیں دل میں ہزاروں حسیں
کریں ایک آنچو پہ بس کس طرح

کھلی جا رہی ہے مری روح میں
کسی کی شمیمِ نفس کس طرح

لرزتے رہے دیر تک میرے ہونٹ
صبا نے کیا گل کو مَس کس طرح

دکھا مجھ کو اے مصرِ جامِ شراب
کہ ہے رُوحِ راحت میں کس کس طرح

بتا اے مری رُوحِ آوارہ خُو
تجھے راس آیا قفس کس طرح

کہاں میں کہاں شمعِ رُویانِ شب
شرر سے رہ و رسمِ خس کس طرح

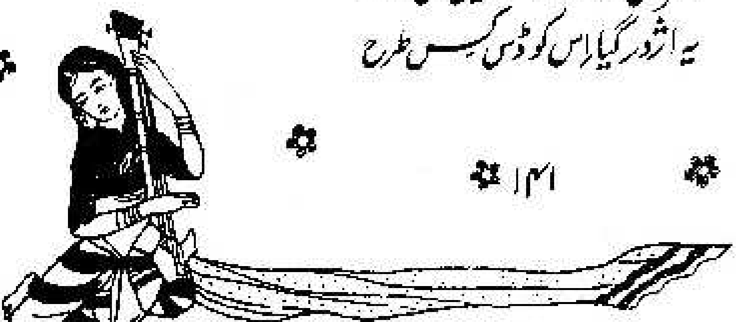
کہاں شیخِ شہر اور کہاں سرِّ حق
سرِ عرش پہنچے مگس کس طرح

جو آنکھیں ہوں بے سُرمۂ اشتیاق
نظر ہو کوئی دُور رس کس طرح

گِلہ گُل نہ ہوتے جو موضوعِ شب
تو باتوں میں آتا یہ رس کس طرح

رہے حلقے میں جسم مُستعد
کہ نیکی میں ہو پیش و پس کس طرح

ظفر بھی سلامت نہیں عشق سے
یہ اژدر گیا اس کو ڈس کس طرح



حاصل ہو کسی کو نگہِ عقدہ کشا بھی
کھلنے کو تو کھل جائے ترا بندِ قبا بھی

برہم مری زندگی سے قدر بھی تھی قضا بھی
اب ان میں اضافہ ہے تری زلفِ دوتا بھی

اک عشق ہے آزاد سزا اور جزا سے
ہر اک کے لیے ورنہ سزا بھی ہے جزا بھی

تا دیر تری زلفِ سمن بو رہی موضوع
کل خلوتِ مے خانہ میں ہم بھی تھے صبا بھی

ان سے مری بیماریِ دل میں ہے اضافہ
ہے روحِ شفا جن کے تنفس کی ہوا بھی

پرہیز نہ کر بادۂ گل فام سے اے شیخ
اس زہر میں موجود ہے داروئے شفا بھی

اخلاص ہو مقصود تو اے واعظِ خوش گو
الفاظ ہی الفاظ ہیں تسبیح و ثنا بھی

کیا اُلٹا زمانہ ہے کہ ہر سمت ہیں پہرے
ہے بندِ سلیماں کے لیے شہرِ سبا بھی

بیٹھے ہوں سرِ راہ جو یارانِ خرابات
کُنجوں سے دبے پاؤں گزرتی ہے صبا بھی

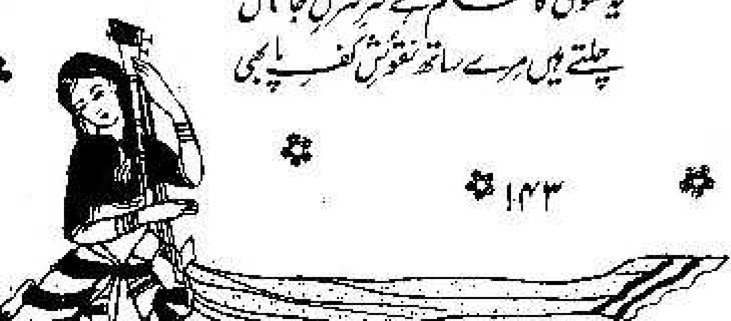
اے زُہرہ وشو راہِ وفا میں مرے ساتھ آؤ
اِس راہ میں رہزن بھی ہُوں میں رہنما بھی

معلوم ہُوا زُہد فروشانِ حرم سے
اِک جنس ہے بازارِ عقیدت میں خدا بھی

اے وائے تذبذب کہ اگر پردۂ اسرار
اُٹھوں تو اُلٹ جائے بساطِ دو سرا بھی

اے تازگیٔ رُوئے غزالانِ خرابات
دم سے ہے ترے تازگیٔ آب و ہوا بھی

یہ شوق کا عالم ہے سرِ منزلِ جاناں
چلتے ہیں مرے ساتھ نقوشِ کفِ پا بھی



اس طرح کیا تیرے سبُو نے مرا احساس
سُنتا ہوں سکوتِ ابدیت کی نوا بھی

کہہ دو کہ جو کر دے شتِ درجِ بادہ مقرّر
گردش اُسی رستے پہ کریں ارض و سما بھی

اے آہوئے آوارہ ارادہ ہے کہاں کا
دل بادہ گساروں کا ختن بھی ہے خطا بھی

دونوں سے مری رُوح نے باندھے تھے پیماں
کل رات کہ بُت بھی تھے مرے ساتھ خُدا بھی

ہوتا ہے یہاں مُثبت و منفی میں تصادم
قوسِ لبِ شاہد میں فنا بھی ہے بقا بھی

وہ پردۂ اسرار ہو یا پردۂ محمل
ہاتھ اپنے پہنچ جائیں گے بے اذنِ صلا بھی

میں گردشِ ایام پہ مرتا ہُوں کہ اس میں
خوشبو بھی تری ہے ترے انداز و ادا بھی

کام آ ہی گیا تجربۂ زُلفِ نگاراں
آسودہ ہیں ہم لوگ تہِ دامِ بلا بھی

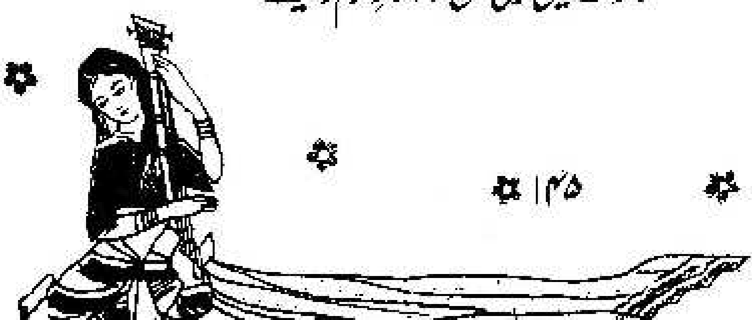
رکھا ہے مری خاک میں تُو نے شررِ ہوش
اب کیا اسے سمجھوں کہ ستم بھی ہے عطا بھی

بھٹکا ہی نہ دے ہم نفسو مجھ کو مرا علم
عالم بھی ہُوں آئینۂ جہلِ علما بھی

دیکھا ہے ظفر تجھ کو خرابات میں ہم نے
تُجھ کو بھی ہے دعوائے کرامت ارے جا بھی

ارباب نظر دیکھے پیرانِ حرم دیکھے
رندوں کی طرح لیکن پہنچے ہوئے کم دیکھے

خلوت میں نہیں آیا جن سے اُمیدِ کرم کوئی
جلوت میں کوئی اُن کا اندازِ کرم دیکھے



شوق راتوں کو ہے درپے کہ تپاں ہو جاؤں
رقصِ وحشت میں اُٹھوں اور دُھواں ہو جاؤں

ساتھ اگر بادِ سحر دے تو پسِ محملِ یار
اِک بھٹکتی ہوئی آوازِ فغاں ہو جاؤں

اب یہ احساس کا عالم ہے کہ شاید کسی رات
نفسِ سرد سے بھی شعلہ بجاں ہو جاؤں

لبِ معجزِ نفساں کی ہو اگر بخششِ خاص
ناگہاں نے کی طرح زمزمہ خواں ہو جاؤں

لاصراحی کہ کروں وہم و گماں غرقِ شراب
اس سے پہلے کہ میں خود وہم و گماں ہو جاؤں

میں نہیں خضر کہ بس زہد و اطاعت کے لیے
وقت کے دوش پہ اِک کوہِ گراں ہو جاؤں

مجھ کو پیری ہے جو منظور تو اس شرط کے ساتھ
صبح کو پیر تو راتوں کو جواں ہو جاؤں

وہ تماشا ہوں ہزاروں مرے آئینے ہیں
ایک آئینے سے مشکل ہے عیاں ہو جاؤں

یوں جلائے تپشِ سینۂ رخسارِ بتاں
سرمۂ دیدۂ صاحب نظراں ہو جاؤں

میری کوشش ہے کہ با وصفِ قدح پیمائی
حلقۂ زہد کی بھی روحِ رواں ہو جاؤں

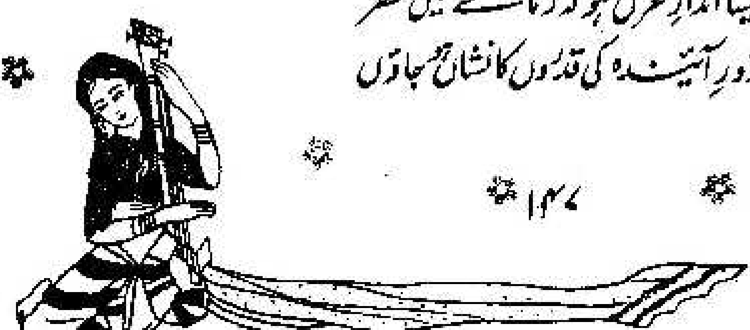
شوق میں ضبط ہے ملحوظ مگر کیا معلوم
کس گھڑی بے خبرِ سود و زیاں ہو جاؤں

اس طرح تیز ہو اے گردشِ پیمانہ کہ میں
سینۂ گردشِ دوراں میں سناں ہو جاؤں

کاش اس بندِ قبا سے کہ ہے بے شرح و بیاں
الجھوں اس طرح کہ بے شرح و بیاں ہو جاؤں

غرق ہو کر بھی ہے برحق ابدیت میری
پھر نہ ابھروں جو زماں سے زماں ہو جاؤں

ایسا اندازِ غزل ہو کہ زمانے میں ظفر
دورِ آئندہ کی قدروں کا نشاں ہو جاؤں



نہیں کہ میں نگہِ جستجو نہیں رکھتا
یہاں جو حُسن نمو ہے نمو نہیں رکھتا

پلا شراب کہ یہ عالمِ گلستانِ محیط
کشادگیِ محیطِ سبو نہیں رکھتا

قریب آ کہ فرح بخش ہی سہی یہ سماں
تری طرح نفسِ مشک بو نہیں رکھتا

ہمارے جام سے چھلکا ہے ناگہاں کل رات
وہ ایک نور کہ قیدِ نمو نہیں رکھتا

دبے رہو ابھی اے خاکِ رہ کے خورشیدو
یہاں کوئی نگہِ جستجو نہیں رکھتا

جہانِ راز کی اے پیرِ مدرسہ تجھ کو
خبر ہو کیا کہ قدح روبرو نہیں رکھتا

عمل کی بات کوئی اے فقیہہِ شہر کہ میں
دمِ مباحثہ و گفتگو نہیں رکھتا

گل و سبو بھی مری جستجو کی راہ میں ہیں
میں ایک نادۂ جستجو نہیں رکھتا

کوئی ہزار کرے دعوٰئے صفا لیکن
صفائے شاہدِ آئینہ رُو نہیں رکھتا

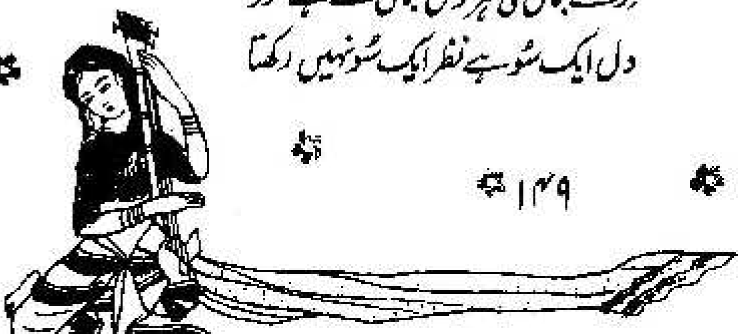
رفو نہ کر مرے جامے میں چاکِ رُسوائی
یہ جامہ تہمتِ ضربِ رفو نہیں رکھتا

سکوتِ خلوتِ شب ایک جنبشِ ناطق ہے
یہ اور شے ہے سرِ گفتگو نہیں رکھتا

سبو اُٹھا کہ زماں خود شکارِ گردش ہے
حسابِ گردشِ جام و سبو نہیں رکھتا

ترے جمال کو آئینہ کچھ بیاں تو کرے
غریب حوصلۂ گفتگو نہیں رکھتا

ترے جمال کی ہر خوش جمال سے ہے نمود
دل ایک سُو ہے نظر ایک سُو نہیں رکھتا



تری قبا ہے سلامت کہ کوئی میری طرح
شعورِ تجربۂ رنگ و بو نہیں رکھتا

غزالِ شہر کی تسخیر مجھ سے سیکھ اے شیخ
یہی ہے ایک کرامت جو تو نہیں رکھتا

وہ رُوبرو ہوں تو میں اپنے شوقِ بے حد کو
بحدِ دائرۂ گفتگو نہیں رکھتا!

کوئی ہمارے سراپردۂ رگِ جاں سے
نمو پذیر ہے لیکن نمو نہیں رکھتا

ظفرؔ ہنر پہ نہ اِترا کہ کم نظر ہے یہ شہر
یہاں گہر بھی کوئی آبرو نہیں رکھتا

اے بوالحسنو یار پری زاد بھی ہوتا
کچھ شب میں مزاجِ شبِ بغداد بھی ہوتا

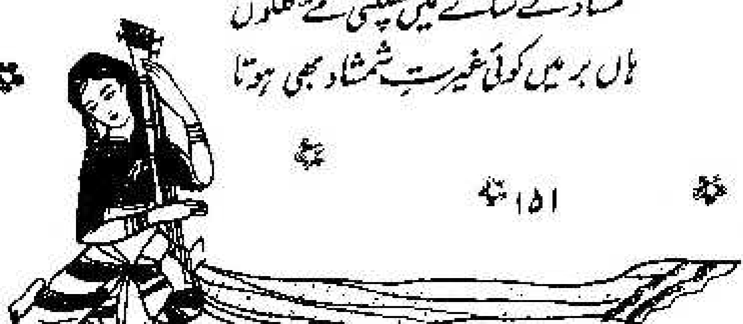
ہر ناوکِ جستہ کی قضا میں ہے مرا دل
اس صید کا یارب کوئی صیّاد بھی ہوتا

رنگِ شبِ مے خانہ کہ اب یاد نہیں ہے
کہتے نہ سرِ عام اگر یاد بھی ہوتا

کب تک یہ سراپردۂ ساغر سے اشارے
اے روحِ خرابات کچھ ارشاد بھی ہوتا

کھلتے جو تری زلف کے اسرار تو شاید
کچھ تجزیۂ عالمِ ایجاد بھی ہوتا

شمشاد کے سائے میں چھلکتی مے گلگوں
ہاں بر میں کوئی غیرتِ شمشاد بھی ہوتا



ہوتے وہ مرے ساتھ تو پہچانے کا ہر دور
اک دورِ خوش آئند کی بنیاد بھی ہوتا

آواز تو دی موسمِ گل نے درِ دل پر
لیکن کوئی اس کنج میں آباد بھی ہوتا

بے شاہدِ مے غمزدہ اک کوہِ گراں تھی
بے کار یہاں تیشۂ فرہاد بھی ہوتا

سرمایۂ رندی تو ابھی تک کے لیے تھے
یہ ذہن نہیں ہے کہ جو برباد بھی ہوتا

اے دستِ قضا سلسلۂ جبر کہاں تک
کچھ فیصلۂ مدتِ میعاد بھی ہوتا

کافی تھا اسے صیقلِ صہبائے مصفا
سینہ اگر آلودۂ الحاد بھی ہوتا

ہم بارگہِ عشق میں کرتے نہ پس و پیش
نذرانہ اگر منصبِ اجداد بھی ہوتا

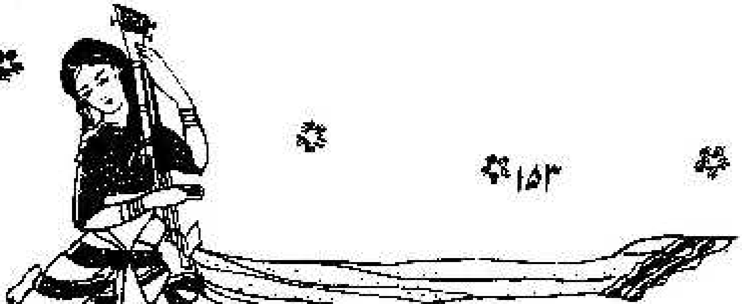
ہوتی مری رسوائی تو بدنام مرے ساتھ
اک آدھ سے آوارہ و آزاد بھی ہوتا

کرتے جو بیاں ہم سببِ نقشِ دو عالم
یہ قصّہ تری زُلف کی رُوداد بھی ہوتا

مُشکل تھا ظفرؔ میرے حریفوں کی غزل میں
یُوں طلعتِ طبعِ خُدا داد بھی ہوتا

پردۂ رُوئے دوست اُٹھا شوق کو بے پناہ کر
زُہد بھی جُھوم جُھوم اُٹھے ایسا کوئی گناہ کر

دی ہے سروش نے جو آج آمدِ دوست کی نوید
عرش سے کہکشاں اُتار اور اسے فرشِ راہ کر



پھول پھیلائے گئے شیشۂ سبو کھولی گئی
اس طرح پھر اُن سے راہِ گفتگو کھولی گئی

صیقلِ اخلاص سے دل پہلے آئینہ کیا
پھر قبائے شاہدِ آئینہ رُو کھولی گئی

زندگی کے پیچ جن کا کھولنا دشوار تھا
کھل گئے جب اُن کی زلفِ مشک بُو کھولی گئی

ہائے کیا شے تھی وہ اک زلفِ گرہ اندر گرہ
ہر گرہ دل کی کھلی جب مُو بہ مُو کھولی گئی

شب گئے اس پیرہن کا بھی مُعمّہ حل ہوا
یہ حقیقت بھی بسعیِ جستجو کھولی گئی

وہ قبا کا بند تھا یا صفحۂ گل کھل گیا
پیرہن تھا یا بیاضِ رنگ و بو کھولی گئی

کھل گئے کل رات وہ ہم سے تو ان کے روبرو
ایک فہرستِ ہزاراں آرزو کھولی گئی

فصلِ گل آئی تو سبزہ معبدِ یاراں بنا
ہیکلِ زہرہ کنارِ آبِ جو کھولی گئی

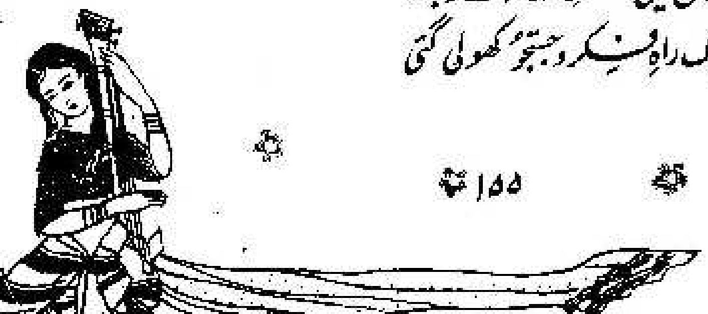
گردشِ دوراں کو دامِ زلف میں لایا گیا
اس کی سازش پیشِ یارانِ سبو کھولی گئی

سرِ روش کو ہم نے روندا آہوانِ شب کے ساتھ
شہرِ گل میں قسمتِ ہر کاخ و کو کھولی گئی

نسخۂ شیرینیِ لب سے بھی جب سنبھلا نہ دل
نشترِ مژگاں سے فصدِ آرزو کھولی گئی

جب بھی میخواروں کو کوئی مسئلہ پیش آ گیا
مصحفِ رخسار سے فالِ نکو کھولی گئی

حلقۂ زنداں میں فکرِ مدرسہ سے دل بضد
اور یہیں اک راہِ فکر و جستجو کھولی گئی



خطِ مے کے ساتھ اُبھرا خطِ حُسنِ بے نمُو
شب مرے ساغر میں دُکّانِ نمُو کھولی گئی

آگہی نے توڑ ڈالے سب طلسماتِ کہن
ہر حقیقت مے کشوں کے رُوبرُو کھولی گئی

اور تو کیا گفتگو کرتے غزالوں سے ظفرؔ
جب زباں کھولی بشرحِ آرزُو کھولی گئی

ہم بے خودوں کو وسعتِ خوب و زِشت کیا
اے ہم نشیں مٹے گا خطِ سرنوشت کیا

دل کو مرے کسی کے تبسّم سے ربط ہے
بویا ہے تخمِ برق بھری ہو یہ کشت کیا

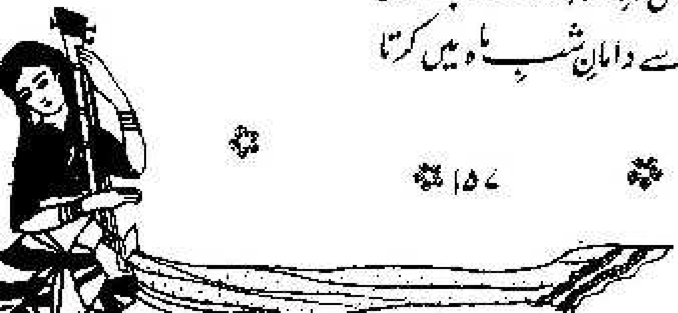
صحرا کا ارادہ جو تری چاہ میں کرتا
رم آہو سے صحرائی مری راہ میں کرتا

ساغر کو دیا میں نے پٹک جبرِ ازل پر
اب اور بھی کیا عالمِ اکراہ میں کرتا

ہوتا کبھی موسم جو خزاں کا مرے ذمے
غرق اس کو شگفتِ لبِ دلخواہ میں کرتا

دیتی مجھے اک لمحۂ فرصت جو تری زلف
کیا کیا نہ میں اس لمحۂ کوتاہ میں کرتا

ہوتا جو کسی ماہ دو ہفتہ سے مجھے شوق
پورا اسے دامانِ شبِ ماہ میں کرتا



اس میں کوئی گنجائشِ اخلاص کہاں تھی
سجدہ بھی جو کیفیتِ اکراہ میں کرتا

کیا مے کشی و عشقِ غزالاں سے روا کچھ
اے عمر تری فرصتِ کوتاہ میں کرتا

دو گھونٹ مقرر ہوئے قسامِ ازل سے
مشکل تھا گزارہ اسی تنخواہ میں کرتا

اسمائے بتاں یاد نہ تھے شیخ کو ورنہ
شامل انھیں اورادِ سحر گاہ میں کرتا

ملتی جو خدائی بھی تو رکھنے کی نہ تھی چیز
تقسیم اسے یارانِ ہوا خواہ میں کرتا

ہر چیز پہ یارو تھی نظر محتسبوں کی
کیا بات نئی اس حلقۂ گمراہ میں کرتا

ہر شخص کو یہاں رہبریٔ عشق کا تھا شوق
پرسش نہ کوئی خضر کی اس راہ میں کرتا

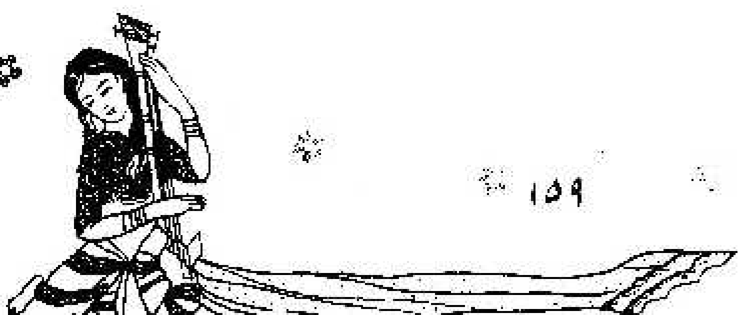
کچھ اور تھا جاہ و حشم دلقِ گدائی
کیا اس کی نمائش حسدِ شاہ میں کرتا

وحشت میں جو آتا ترا اندازِ کرم یاد
میں رقص ترے شہر کی ہر راہ میں کرتا

اِترا کے گزرتے جو غزالانِ بہاراں
صید اُن کو بہاروں کی کمیں گاہ میں کرتا

حائل کبھی ہوتا مرے رستے میں اگر زہد
میں زہد کو بھی فرشِ تری راہ میں کرتا

ہاتھوں میں سبُو سر پہ ظفرؔ افسرِ گل ہے
کیا اور اضافہ تزک و جاہ میں کرتا



جب کبھی شوق کی راہوں میں قدم رکھتے ہیں
ساتھ اک آہوئے آوارہ کو ہم رکھتے ہیں

قدحِ بادہ نہیں ہم نگرانِ اسرار
رات کو سامنے آئینۂ جم رکھتے ہیں

مسئلہ جن کو غزالوں کا ہو درپیش وہ لوگ
واسطہ مسئلۂ زہد سے کم رکھتے ہیں

ایک رندی ہی نہیں طرۂ یارانِ سبو
کچھ ہنر اس کے سوا اور بھی ہم رکھتے ہیں

یہی دعویٰ ہے کہ ہم رند ہیں مقصودِ جہاں
سامنے آئیں جو تردید کا دم رکھتے ہیں

ہم نہ کافر ہیں نہ مومن کہ دمِ مے خواری
طاق پہ مسئلۂ دیر و حرم رکھتے ہیں

آئے گردش میں جو پیمانہ تو آدابِ شعور
فقہا رکھتے ہیں ملحوظ نہ ہم رکھتے ہیں

زلف برہم ہو تو خود کرتے ہیں تحقیقِ سبب
ہم مجرد سے نظریات پہ کم رکھتے ہیں

ہم سے پوچھو ہمیں کیا شہرِ غزالاں سے بلا
ہم بھی کچھ تجربۂ اہلِ کرم رکھتے ہیں

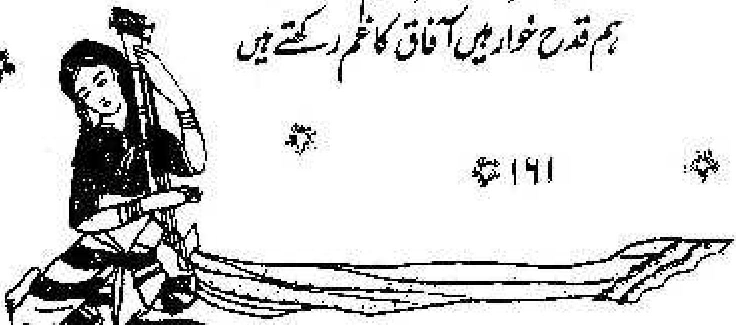
ذکرِ ذرّے کا ہو مقصود تو ہم اہلِ نظر
مہ و خورشید سرِ نوکِ قلم رکھتے ہیں

مے گسارو یہ جہاں سرِّ توانائی ہے
نہ وجود اپنا ہے کوئی نہ عدم رکھتے ہیں

نئے آہو کہ روایت کے نہیں ہیں قائل
اک نیا مکتبۂ رامش و رم رکھتے ہیں

لکھ دیا اپنے مقدر میں جو ہم نے چاہا
اپنی تحویل میں ہم لوح و قلم رکھتے ہیں

واعظِ شہر کو ہے صرف غمِ حلقۂ وعظ
ہم قدح خوار ہیں آفاق کا غم رکھتے ہیں



دن کو رہتی ہے فقیہانِ حرم سے صحبت
رات کو شوقِ غزالانِ حرم رکھتے ہیں

شہرِ خوباں میں ہے جس شاہدِ نوخیز کی دھوم
ہم بھی اس پر نگہِ لطف و کرم رکھتے ہیں

کبھی رندوں سے بھی مل دیکھ کہ ہم بھی اے شیخ
جذبۂ خدمتِ پیرانِ حرم رکھتے ہیں

ہم ہیں وہ منتخبِ شہر کہ خوبانِ وطن
ہم سے کچھ اور ہی اندازِ ستم رکھتے ہیں

شہرۂ اقلیمِ غزل ہوں مرے اشعار ظفر
طمطراقِ قصصِ قیصر و جم رکھتے ہیں

یارب سرابِ اہلِ ہوس سے نجات دے
مجھ کو شراب دے کہ انھیں آبِ حیات دے

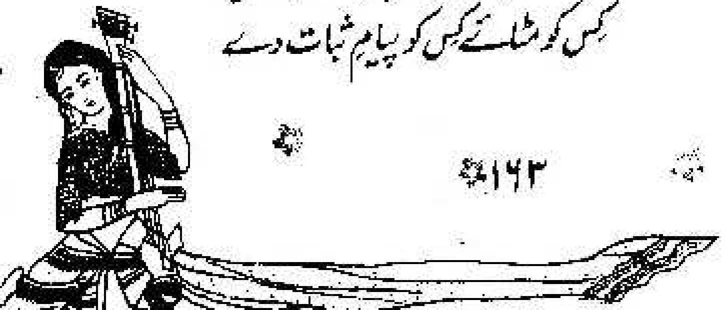
آ ہم بھی رقصِ شوق کریں رقصِ گل کے ساتھ
اے گردشِ زماں مجھے ہاتوں میں ہات دے

اپنا سبو بھی آئینۂ جم سے کم نہیں
رکھیں جو رُو برُو خبرِ شش جہات دے

ہر راستِ حق سلسلۂ شوق ہو ادا
فرصت ہمیں جو سلسلۂ حادثات دے

اے دستِ راز مرکبِ دوراں ہے سست رَو
لا میرے ہاتھ میں رسنِ کائنات دے

اُٹھی تو ہے کسی کی نظر اب نہ جانیے
کس کو مٹائے کس کو پیامِ ثبات دے



کچھ تو کھلے کہ کیا ہے پسِ پردۂ حیات
کوئی پتا تو آئینۂ حسنِ ذات دے

اک بت سے میرے شوق کی تسکین ہو کس طرح
میں مردِ برہمن ہوں مجھے سومنات دے

آنکھیں کھلی ہیں اور زباں پر ہے قفلِ ضبط
یہ حکم ہے کہ دیدہ وری کی زکات دے

اے دوست اس زمان و مکاں کے عذاب میں
دشمن ہے جو کسی کو دعائے حیات دے

اے کلکِ نیشکر تری شیریں لبی کی خیر
زندوں کو بھی یہ نسخۂ قند و نبات دے

کب تک کشیدگی کی یہ خو اے غزالِ شب
اپنی نظر کو زاویۂ التفات دے

بے رہروی ہے اور غزالِ حرم کا ساتھ
اے اشتیاقِ دل ہمیں پائے ثبات دے

یارب قبائے تنگ کی مشکل سہی کشود
ہر روز اس طرح کی مجھے مشکلات دے

اُٹھ رہ گزر سے اے درِ مےخانہ کے گدا
مسند پہ بیٹھ فیصلۂ کائنات دے

اے کاروبارِ زہد و ورع کے بُتِ عظیم
تجھ کو خدا مراتبِ لات و منات دے

دیکھے روایتوں کے یہاں بے شمار بُت
دُنیا نہیں اِسے لقبِ سومنات دے

اُس زُلفِ پیچ پیچ کی کھُلنے کو ہے گرہ
ارض و سما کو مژدۂ دورِ نجات دے

بازی چلی چلے یُونہی زہرہ وشوں کے ساتھ
تُو اُن کی چال دیکھ نہ شہ دے نہ مات دے

بھر دے سبُو کہ بحث کا جاری ہو سلسلہ
موضوع کے لیے کوئی واعظ کو بات دے

اُس موجۂ سرُور کی ہے آرزُو ظفرؔ
جو طبع کو روانیِ نیل و فرات دے



مہ وشوں سے خوش خیالی کیجیے
پھر کوئی بے اعتدالی کیجیے

ماہ در سرطاں ہے مہ رُویوں کے ساتھ
ابتدائے نیک فالی کیجیے

بیٹھیے سبزے پہ چھلکا کر سبو
دعوتِ بادِ شمالی کیجیے

حال سے بے حال ہو جب زُلفِ یار
صبح تک سعیِ بحالی کیجیے

کھول کر بندِ قبائے گُل رُخاں
حمدِ ربِّ لایزالی کیجیے

پُر ہو جب تک ساغرِ عمرِ عزیز
صد ہزاراں جام خالی کیجیے

کیجیے جاں ہدیۂ جامِ شراب
دل کو نذرِ خوش جمالی کیجیے

راستہ روکے تو زاہد کی طرف
گوشۂ چشمِ جلالی کیجیے

یہ جہاں نقشِ خیالی ہی تو ہے
کیا غمِ نقشِ خیالی کیجیے

نوحۂ مغبچگاں کے درمیاں
عرسِ رندِ لاابالی کیجیے

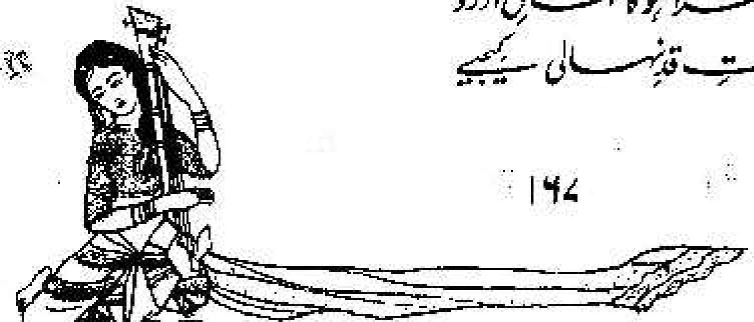
مرثیۂ ارمانِ دل پر ایک رقص
صورتِ بادِ شمالی کیجیے

زندگی کیا ہے ازل سے تا ابد
ایک رقصِ انتقالی کیجیے

مے کشی میں کیا سزا اور کیا جزا
وسوسوں سے دل کو خالی کیجیے

کچھ گدایانِ خرابات آئے ہیں
ساغرِ جمشید خالی کیجیے

خود ہرا ہوگا نہالِ آرزو
حسرتِ قدِ نہالی کیجیے



ساغرِ عمرِ رواں ہی کیوں تہی ہو
جو قدح مل جائے خالی کیجیے

گردشِ دوراں جو آئے رو برو
پیرہ زن کی گوشمالی کیجیے

رام اگر ہوتے نہ ہوں خوبانِ شہر
وردِ اسمائے جلالی کیجیے

ہاتھ جا پہنچے جو اُن کی زلف تک
پیشِ عذرِ بے خیالی کیجیے

پھر بلاوا آ گیا لاہور سے
قصدِ شہرِ خوش جمالی کیجیے

صحبتِ شیریں لباں میں بیٹھ کر
دعوئے شیریں مقالی کیجیے

بے کمالی کی بھی مل جائے گی داد
ادعائے باکمالی کیجیے

جمعِ دُنیا کی ہدایت کو ظفر
میرے ارشاداتِ عالی کیجیے

ہُوا نہ رازِ جسم کا کُل دو تا معلوم
ہمارا ہاتھ تھا اور اِک طلسمِ نا معلوم

کسی کے پرتوِ انوارِ حشر ساماں سے
جو آئینے کا ہے عالم کسی کو کیا معلوم

اشارۂ نگہِ یار پر ہیں گرمِ سفر
یہ رہروی ہے کہ بے رہروی خدا معلوم

نہ پُوچھ شوق کا عالم کہ شہرِ خُوباں میں
ملا جو شخص ہُوا مجھ کو آشنا معلوم

فقیہہِ شہر شہُود و حجاب کے اسرار
ہمیں تو خیر نہیں ہیں تمہیں بھی کیا معلوم

نیاز کا ہے یہ عالم کہ جب خُدا نہ ملا
ہمیں پرستشِ بُت بھی ہُوئی بجا معلوم

پلا شراب کہ یہ کائناتِ ہفت رواق
وہ سلسلہ ہے نہیں جس کا مدعا معلوم



غزالِ شب کہ جلو میں ہے اُس کی فصلِ بہار
چلے چمن میں تو ہو موجۂ صبا معلوم

امینِ سطوتِ سکے ہیں گدائے مے خانہ
یہاں پہنچ کے ہُوا رتبۂ گدا معلوم

نہ سلطنت ہے نہ فقیہِ حرم نہ رندِ خراب
اسے سزا کا ہے دھڑکا اُسے جزا معلوم

ہزار شکر کہ الطافِ گل رخاں سے ہمیں
ملا وہ درد کہ جس کی نہیں دوا معلوم

وہ گُر ہو جس سے غزالانِ شہر کی تسخیر
یہاں کسی کو نہیں ہے مرے سوا معلوم

اب اور شرطِ سعادت ہو کیا کہ موجِ شراب
چھلک کے سر سے جو گزرے تو ہو ہُما معلوم

سکوتِ غنچہ و گل کو سمجھ سکے جو کوئی
روش روش ہو صفِ نالہ و بکا معلوم

ہزار اس میں سے تجھے عالمِ نظر جو کی کل رات
ہُوا محیطِ سبو مجھ کو آئینا معلوم

بہار میں لطف آئی ہمیں بتاتے خزاں
ہُوا تموّجِ گُل ورطۂ فنا معلوم

بس اک زقندِ غزالِ شہود ہے یہ جہاں
غزالِ شب سے یہ نکتہ ہمیں ہُوا معلوم

کچھ اس کمال کے خوش اعتقاد ہیں ہم لوگ
ہمیں کسی کا ستم بھی ہُوا عطا معلوم

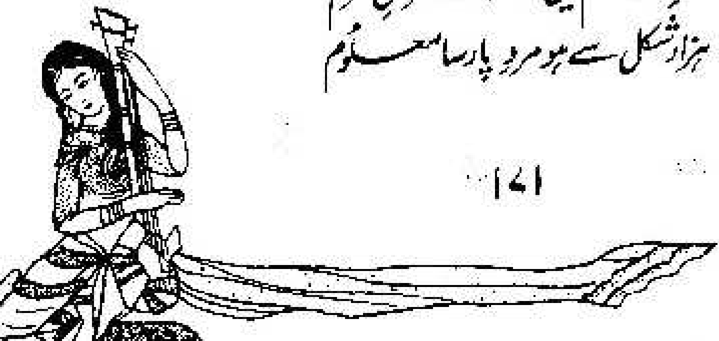
کسی سے دست درازی کی ابتدا کر کے
ہم اپنے شوق کی کرتے ہیں اِنتہا معلوم

دلِ خراب جو زُلفِ بُتاں کے درپے ہے
نہیں ہے شوق کی شاید اسے سزا معلوم

ہزار تجربۂ نفسِ زُہد کر دیکھا
ہُوا نہ کچھ سببِ زُہد و اِتقا معلوم

مرے سخن سے کھلا میرا رازِ دینداری
ہُوا غزل سے مزاجِ غزل سرا معلوم

ظفرؔ کے دام میں آنا نہ اے غزالِ حرم
ہزار شکل سے ہو مردِ پارسا معلوم



ہر راز عیاں اِس سے بہ اجمال ہُوا ہے
ساغر مرا آئینۂ احوال ہُوا ہے

کل رات جو گزرے ہیں گلستاں سے قدح خوار
سُنتے ہیں بہاروں کا بُرا حال ہُوا ہے

مے خانے میں آیا ہوں تو ساغر سے آگے
اِک کوکبۂ دولتِ اِقبال ہُوا ہے

مے خوار کو اِک رقصِ عروساں ہے قیامت
شورِ دو جہاں نغمۂ خلخال ہُوا ہے

مے نوشی کا عالم بھی قیامت ہے کہ اس میں
آئینِ طبیعی کا بھی اِبطال ہُوا ہے

تقسیمِ مراتب کا یہ عالم ہے کہ مے خوار
مے خانے سے اُٹھا ہے تو ابدال ہُوا ہے